

بیشتر
U 1013

اسلامیہ پرنٹنگ اینڈ پبلیشنگ کمپنی دہلی کا پہلا سال

خلافت عثمانیہ

قرآن مجید تفاسیر احادیث تواریخ عربی سے اس امر کو ثابت کیا گیا ہے کہ سلطان ترکی مذہبی پہلو سے خلیفہ ہو سکتے ہیں

مصنف

میرزا حیرت مالک واڈیئر کرزن گزٹ دہلی و سکرٹری کمپنی

اسلامیہ پرنٹنگ اینڈ پبلیشنگ کمپنی دہلی کی طرف سے

۱۹۰۱ء

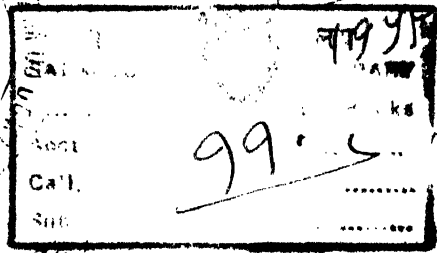
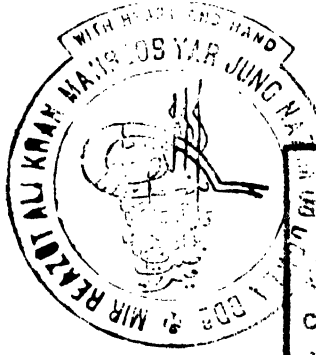
باہتمام میرزا حیرت

کرزن گزٹ پریس واقع شاہجہاں پور دہلی

شہادۂ خلافت شیخین

مولفہ و مرتبہ میرزا حیرت

اُردو میں یہ پہلی کتاب ہے جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے حالات میں لکھی گئی ہے۔ تمام واقعات پر سیاسی اور تاریخی پہلو پر بحث کی گئی ہے اور تمام واقعات ماضیہ کو آئینہ کر کے دکھایا ہے۔ نئی بات جو اس کتاب میں ہے وہ یہ ہے کہ شیعی اور سنی معتبر کتابوں سے مضامین اخذ کیے گئے ہیں اور دونوں فریق کی مستند کتابوں کو پہلو بہ پہلو رکھ کے جانچا ہے غور سے دیکھنے کے بعد معلوم ہوا ہے کہ حضرت شیخین کے معاملہ میں ایک حد تک سنی اور شیعہ دونوں کی کتابیں متحد اور متفق ہیں۔ اور سب نے یک زبان ہو کر دونوں صحابہ کی رستہ بازی۔ تقدس اور حقوق خلافت کی شہادت دی ہے۔ یہیں شیعی اصحاب کی مستند کتابوں کے شیخین کے وہ حالات ملے ہیں جو سنی مذہبی کتب اور تاریخوں میں کہیں ان کا ذکر نہیں ہے۔ وہ واقعات صحابہ کی محبت اہل بیت اور عظمت ظاہر کرتے ہیں اور دکھانے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے آپ کا کیا تعلق تھا۔ اور کس اتحاد سے سب ملے اشاعت دین خدا میں کوشش کرتے تھے۔ ہم نے ان روایتوں کو بھی جمع کر دیا ہے جو شیعی کتب میں شیخین کی مخالفت میں مرقوم ہیں۔ اور دکھایا ہے کہ ایک ہی کتاب میں موافقت اور مخالفت کا رنگ کس طرح کوٹ کوٹ کے بھرا ہوا ہے۔ ہم نے اس بات کو ثابت کر دیا ہے کہ یہ مخالفت اور موافقت دو قسم کے مضامین کیونکہ اور کس صورت سے کتابوں میں جمع ہو گئے اور ان کی تاریخ کیا کیوں کہ دنیا کی کسی زبان میں ایسی کوئی کتاب نہ ہو گی جس میں ایسا بیت اور علانیہ تضاد پایا جاتا ہو۔ بہر حال جو کچھ خلافت شیخین میں لکھا گیا ہے وہ ایک انقطاعی فیصلہ ہے۔ سنی اور شیعی مذہبی روایتوں کا ادھار سے خیال میں ایسا بے رورعایت فیصلہ تاریخی اور سیاسی پہلو پر نہیں کیا گیا۔ کاغذ اعلیٰ درجہ کا ذیل ولایتی لکایا گیا ہے۔ کتاب محلہ ہے اور قیمت چار روپیہ علاوہ محصول لنگ ہے۔ کرن پریس لٹی سے مل سکتی ہے۔



بسم اللہ الرحمن الرحیم

فیصلہ خلافت

ایک سخت اور مشکل غلط فہمی اس بین اور روشن مسئلہ میں پھیلی ہوئی ہے کہ صحیح بخاری کی حدیث کو مطابق خلیفہ قوم قریش کے سوا اور کسی قوم میں نہیں ہو سکتا۔ اور جو سلطان قوم قریش سے نہیں ہے اُسے خلیفہ بننے کا کسی طرح بھی حق حاصل نہیں مین تھوڑی دیر کے لیے ناظر کی توجہ نص قرآنی پر مبذول کرنا چاہتا ہوں۔ اسکے بعد حدیث

پُر مفصل بحث کروں گا۔ قرآن مجید میں خداوند تعالیٰ یہ فرماتا ہے۔ یا ایہا الذین امنوا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول واولی الامر منکم اللہ اس آیت شریف میں پہلے تو خود خداوند تعالیٰ اپنی اطاعت کا حکم دیتا ہے۔ اُسکی اطاعت سے غرض اُسکے اوامر کی تعمیل کرنی یعنی قرآن مجید کے احکام کو ماننا اور اُن پر عمل کرنا ہے۔ دوسرا حکم رسول کی اطاعت ہے۔ اس سے غرض سنت نبویؐ پر سر تسلیم خم کرنا اور اُن پاک اور روشن ہدایات پر چلنا جو رسالت مآب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کی ہیں۔ تیسرا حکم اُس شخص کی اطاعت کے لیے دیا گیا ہے جو صاحب امر یعنی حکومت ہو۔ اب اس میں قریش اور غیر قریش کی تخصیص نہیں ہو۔ کیونکہ اللہ جل شانہ نے عام مسلمانوں سے خطاب کیا ہے۔ اُن عام مسلمانوں میں

قریش بھی شامل ہیں اور وہ نو مسلم بھی شامل ہیں جو پہلے بت پرست تھے یا مجوسی یا ہندو یا نصاریٰ۔ غرض جو لوگ کتاب اللہ اور اُسکے رسول پر ایمان لائے اُن ہی خطاب کیا گیا ہے۔ خواہ وہ عرب کے رہنے والے ہوں یا افریقیہ کے مصر کے رہنے والے ہوں یا ہندوستان کے یورپ کے رہنے والے ہوں یا روس اور وسط ایشیا کے چین کے رہنے والے ہوں یا جاپان کے۔ ہاں اگر لفظ منکھ سے زبردستی کھینچ تان کر اُن ہی لوگوں سے مطلب لیا جائے جو خود وحی کے نازل ہونیکے وقت موجود تھے۔ اور جن کے آگے رسول اکرم نبیؐ نے یہ آیت پڑھی۔ تو تمام احکام قرآنی درہم برہم ہو جائینگے۔ اور پھر ہر حکم پر یہی خیال کرنا پڑے گا کہ یہ خاص اُن ہی مسلمانوں کو دیا گیا ہے جو اُس وقت موجود تھے۔ پھر تمام دنیا کے مسلمان گویا آزاد ہو گئے۔ اور اگر وہ نماز نہ پڑھیں یا زکوٰۃ نہ دیں تو اُن سے کچھ باز پرس نہیں ہو سکتی۔

یہ خیال محض خلاف قیاس معلوم ہوتا ہے۔ یہ منشاء باری تعالیٰ ہو سکتا ہے نہ ہر وہ اپنے احکام اور اوامر کو کسی خاص ملک کسی خاص قوم کسی خاص گروہ یا کسی خاص شخص کیلئے محدود نہیں کرتا۔ اُس نے اپنے معصوم نبیؐ کو رحمۃ للعالمین کا لقب ہی لینے دیا ہے کہ اُسکی مقدس برکتوں اور اُسکی پاک رحمتوں کا دروازہ سب کے لئے یکساں کھلا ہوا ہے۔ اُس نے ہر حق نے تمام امتیازیہ مدارج کو اٹھا دیا۔ حسب نسب کی قید کو بالکل اُڑا دیا۔ کوئی شخص نہ اپنے قریشی ہونے پر گھمنڈ کر سکتا ہے نہ ماشمی ہونے پر نہ مکی مدنی ہونا زیادہ فضیلت کی نشانی ہے نہ ہندوستانی یا چینی ہونا کچھ کم وقتی کا باعث ہے۔ اللہ کے نزدیک وہی مکرم و معظم و محترم ہے جو متقی ہے۔ یعنی اللہ سے ڈرتا ہے۔ اُسکے اوامر پر چلتا اور اُسکے نواہی سے پرہیز کرتا ہے۔ چنانچہ خود خداوند تعالیٰ

فرقان حمیدین فرماتا ہے۔ اِنَّ اَکْمَرَ عِنْدَ اللّٰهِ اَلْقَلْبُ خَدَا کے نزدیک وہی زیادہ اکرم ہے جو زیادہ متقی ہے۔ اگر ایک مسلمان جو جو تین سینے کا پیشہ کرتا اور زیادہ متقی ہو۔ مگر حسب نسب بپارے کا کچھ نہیں ہے وہ اُس قریشی یا ہاشمی شخص سے اچھا ہو جو خدا سے نہیں ڈرتا۔ اُسکے اوامر پر چلتا ہے نہ نواہی سے پرہیز کرتا ہے۔ کیا ایک ادنیٰ درجہ کے مسلمان کو خود رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابولہب پر فضیلت نہیں ہے جو علاوہ ہاشمی اور قریشی ہونیکے خود نبی اکرم کے چچا تھے۔ کیا رسول خدا نے مختلف غزوات میں ہاشمیوں اور قریشیوں کا حبشی غلاموں کو افسر بنا کر نہیں بھیجا اور کیا اُس حبشی کی اطاعت کی اپنے محترم صحابہ کو تاکید نہیں فرمائی۔ اس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ اس آیت میں صرف قریش ہی سے خطاب نہیں کیا گیا ہے بلکہ یہ خطاب عام مسلمانوں کی طرف ہے۔

ادھر باری تعالیٰ حاکمون اور والیوں کو عدل و انصاف کا حکم کرتا ہے اور اُدھر عامۃً مسلمین کو انکی اطاعت کا حکم دیتا ہے۔ اور اسی لئے اُس نے یہ فرمایا یا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا حُضِرَتْ عَلَیْکُمْ اللّٰہُ وَجْہَہُ فَرَمَاتے ہیں۔ ”امام کو حق ہے کہ رعیت پر خدا کے نازل شدہ احکام کے مطابق حکم دے۔ امانتوں کو ادا کرے۔ پس جب امام ایسا کرے تو رعیت پر بھی حق ہو کہ اسکی بات مانے اور اطاعت کرے۔“ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی امام سے عرض حاکم ہے۔ کیونکہ صاحب امر نہ کوئی مجتہد ہو سکتا ہے نہ مولوی نہ عالم اب بڑی بات دیکھنی یہ ہے کہ اس آیت کی تفسیر میں حضرت علی نے امام کیساتھ قریشی ہونے کی تخصیص نہیں فرمائی بلکہ عام طور پر ہر ایسے امام کی نسبت فرمایا ہے جس میں مذکور بالا صفتیں موجود ہوں یعنی عادل ہو اور لوگوں کی امانتیں ادا کرے ہمارا مطلب نکال آیا

کہ اس آیت سے غرض کوئی خاص گروہ نہیں ہے۔

اجماع امت بھی حجت ہو

فقہاء نے اس آیت سے بڑے بڑے اُصول استنباط کیے ہیں کیونکہ یہ آیت شریفہ اُصول فقہ کے مہات اُصول پر مشتمل ہے۔ فقہاء کا بیان ہو کہ اُصول شریعت چار ہیں۔ کتاب۔ سنت۔ اجماع۔ قیاس۔ چنانچہ اس آیت سے یہ چاروں اُصول مستنبط ہوتے ہیں۔ اول کتاب و سنت اُنکی طرف اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول سے اشارہ ہوتا ہے۔ دوم اجماع و قیاس۔ اُنکی طرف واولی الامر منکم سے اشارہ ہے۔ تو اولی الامر منکم اجماع امت پر دلالت کرتا ہے کسی مسلمان کو کیا حق حاصل ہو کہ جب ایک امر پر اجماع امت ہو چکا اُسے نہ مانے۔ اور اپنی ڈیڑھ اینٹ کی الگ ہی چُنے۔ ایسے شخص کی نسبت جو اجماع امت سے علیحدہ ہونا چاہے۔ رسول خدا اصلی المد علیہ وسلم یہ فرماتے ہیں صحیح بخاری کے باب السبع والاطاعت لامام مالم تکن معصیۃ میں یہ حدیث مروی ہے۔

”جس نے میرے امیر سے کوئی ایسی بات دیکھی جسے اُس نے ناپسند کیا“

”تو اُسے صبر کرنا چاہیے۔ کیونکہ وہ شخص جسے جماعت سے ایک بانٹ بھرتا“

”مُفَارَقَت کی تو گویا جاہلیت کی موت مرا“

اب بحث یہ ہو کہ خداوند تعالیٰ نے جس شخص کی جرمی اور قطعی طور پر حکم دیا ہو اُس کا معصوم ہونا ضرور ہے کیونکہ اگر وہ معصوم عن الخطا نہ ہوگا تو اقدام علی الخطا کا شائبہ اُس میں ضرور پایا جائے گا تو پھر ایسا شخص نہ قابل اطاعت ہو سکتا ہو اور نہ خداوند تعالیٰ ایسے شخص کی اطاعت کے لئے کوئی جرمی یا قطعی طور کا حکم نافذ فرماتا ہے۔ بعض علما کا خیال یہ ہو مگر میں اسے تسلیم نہیں کرتا کیونکہ اسلام نے سوائے انبیاء علیہم السلام کے کسی کو معصوم نہیں مانا،

اور یہاں نبی برحق کے بعد اولی الامر کا مرتبہ قرار دیا گیا ہو تو معلوم ہوا کہ یہ ذاتِ حسیہ
 اولی الامر کا اطلاق ہوا ہو نبی مکرم و معصوم سے علیحدہ ہو جب علیحدہ ہوئی تو عصمت
 اُس پر قائم نہیں ہو سکتی۔ اگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک کیساتھ اولی الامر
 کی اتنی فضیلت بڑھائی جائے کہ وہ خیر البشر کا ہم پلہ قرار دیا جائے تو معاذ اللہ پھر لازم
 آئیگا کہ نبی برحق خداوند تعالیٰ کے ہم پلہ قرار دیئے جائیں۔ حالانکہ ایسا خیال کرنا ہمارے
 مذہب میں کفر سے بھی بڑھ کر کفر ہے۔ اس خیال پر کہ اولی الامر سے مراد کسی معصوم امیر
 سے ہو۔ خود ہمارے امام فخر الدین رازی نے اپنی تفسیر کبیر میں قہقہہ اڑایا ہو۔ جان و فنا
 میں کہ یہ خیال محض بے سرو پا ہو۔

اب دوسری بحث یہ ہو کہ بعض علما کا یہ خیال ہو کہ اولی الامر سے خلفائے راشدین
 مراد ہیں۔ اس پر بھی ذرا خیال کرنا چاہیے۔ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے اور اسے مان لیا جائے
 کہ اولی الامر سے مراد خلفائے راشدین ہیں تو اس سے ایک بڑی قباحت یہ لازم آتی
 ہو کہ چار خلفاء پر اطاعت تمام ہو گئی۔ اب اُن کے بعد اگر کوئی امیر ہو یا خلیفہ اُسکی اطاعت
 واجب نہیں ہو تو اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ خداوند تعالیٰ کا منشا یہ ہو کہ ہمیشہ فساد
 ہوتا رہے (معاذ اللہ) دوسرا منشا یہ ہو کہ چکر کوئی امیر ہی مسلمان نہ ہو اور کل مسلمان بوسری
 بھیڑ و مکی طرح سے پہاڑوں میں ٹکرائے اگر جان و دین۔ اور اسلام خلفائے راشدین ہی
 پر ختم ہو جائے۔ کیا نفع باللہ کوئی شخص بھی باری تعالیٰ کی نسبت ایسا خیال کر سکتا ہو کہ اُسکا
 منشا ایسا ایسا ہو جو اوپر بیان ہوا۔

اکثر احادیث صحیحہ ایسی موجود ہیں جنہیں قریش تو قریش حتیٰ کہ جشیون کی اطاعت کا
 حکم دیا ہو جنہیں سے ایک حدیث میں ابھی نقل کروں گا۔

اسکے بعد اب یہ دکھانا ہے کہ اور علما کا خیال کیا ہو اور وہ اولی الامر سے مراد کیا لیتے ہیں۔ چنانچہ بعض علما کا یہ خیال ہو کہ اولی الامر سے وہ اُمراءِ اہلین جو سرِ یون پر بھیجے جاتے تھے۔ چنانچہ سعید بن جبیر نے بیان کیا ہے کہ یہ آیت عبد اللہ بن حذافہ سہمی کے باب میں نازل ہوئی ہو۔ جبکہ انہیں آنحضرتؐ نے ایک سرِ کِی امیر بنا کر بھیجا تھا اور اُس میں عمار بن یاسر بھی تھے۔ ان میں چونکہ باہمی کوئی اختلاف واقع ہوا چسپہر آیت نازل ہوئی اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ اولی الامر سے وہی اُمراءِ اہلین جو سرِ یون پر بھیجے جاتے تھے اور یہ بھی مان لیں کہ اولی الامر سے مراد عبد اللہ بن حذافہ سہمی ہیں تو پھر غضب یہ ہو کہ تخصیص لازم آئیگی اور پھر قرآن مجید کی ہر آیت پر یہ خیال کیا جائے گا کہ یہ اسی محلِ موقع کیلئے نازل ہوئی تھی۔ جب اُسکی ضرورت ہوئی تھی۔ اب اُسکی طرف توجہ کرنا یا اُس حکم کو ماننا جو اُس میں موجود ہو لازم نہیں آتا۔ ہر آیت کا ایک شانِ نزول موجود ہو جب کوئی موقع یا اتفاق اس قسم کا درپیش آیا کہ اُس میں حکمِ خدا کی ضرورت ہوئی فوراً وحی نازل ہوئی تو کیا اُس وحی کو یہ سمجھ لیا جائے۔ چونکہ اسکا نزول ایک خاص موقع کے لئے ہوا تھا اسلئے وہ آئندہ زمانہ میں صادق نہیں آسکتی۔ یہ خیال کس قدر رکیک ہو اور منشاء باری تعالیٰ کتنا دور پر جاتا ہو۔

یہ مانا کہ جب عبد اللہ بن حذافہ سہمی اور عمار بن یاسر میں اختلاف ہوا تو اُس وقت اختلاف کو کھونے اور عمار بن یاسر کو عبد اللہ بن حذافہ سہمی کا مطیع کرنیکے لئے خدا کا یہ حکم نازل ہوا۔ اسکے یہ معنی ہیں کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے آئندہ کے لئے اس امر کا تصفیہ کر دیا کہ جب کوئی اسطرح سے امیر بنے اُسکی اطاعت جملہ مومنین پر واجب ہے ایک ہی حکم ایک ہی قسم کے جھگڑوں کی قیامت تک فیصلہ کرنیکے لئے خدا کی طرف سے نازل

ہوا کرتا تھا۔ اسکے بعد یہ دیکھنا ضرور ہو کہ سعید بن جبیر کا یہ قول کچھ حجت نہیں ہو سکتا کہ ہمیں بغیر تسلیم کچھ چارہ ہی نہ ہو۔ یہ ممکن ہو کہ جو کچھ سعید بن جبیر نے بیان کیا ہو وہ اصل میں اس آیت کی شان نزول ہو جس پر ہم بحث کر رہے ہیں۔ مگر ممکن ہو کہ یہ قول نادرست ہو بلکہ یہ آیت اُس وقت نازل ہوئی ہو کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک غلام کو ایک مہم میں فوج کا سرکردہ بنا کر روانہ کیا تھا۔ اور اُسکے ماتحت بڑے بڑے قریشی سرداروں کو کام کرنے کا حکم دیا تھا۔ انہیں خیال گزرا تھا کہ ہم ایسے شریف اور نجیب ہم پر ایک غلام حکومت کرے گا۔ چنانچہ فوراً یہ آیت نازل ہوئی۔ جس نے صاف طور پر امیر المؤمنین اور خلیفہ المسلمین ہونیکے لیے قوم و ملک کی شرط اڑادی۔ اور یہی بعد ازاں خلفائے بھی سعید بن وقاص سپہ سالار میدان قادسیہ کون تھا۔ ایک غلام تھا جسکی ماتحتی میں بڑے بڑے افسر قریش کام کر رہے تھے اور کیا مجال تھی جو حسب نسب کا ذکر آتا یا کوئی قریشی سردار غلام کی ماتحتی میں رہنے سے کشیدہ خاطر ہوتا۔

اب ہم پھر اپنے اصلی مطلب کی طرف آتے ہیں اور دکھاتے ہیں کہ اگر بلا حجت و دلیل ہم سعید بن جبیر کا قول صحیح بھی تسلیم کر لیں تو ہمیں اتنا تسلیم کرنا پڑے گا کہ انھوں نے آیت کی صرف شان نزول بیان کی ہو اور بس۔ کیونکہ اگر ہم اس شان نزول کو نہ مانیں گے تو کوئی دوسری اسی قسم کی شان نزول ماننی پڑے گی۔ اسلئے سعید بن جبیر کی بیان کردہ شان نزول کا مان لینا کوئی تباحث نہیں پیدا کرتا۔ نہ ہمارے دعوے میں اس سے کوئی ضعف پیدا ہوتا ہو۔

پھر اسکے علاوہ ایک گروہ علما کا یہ قول ہو کہ اولی الامر سے مراد وہ لوگ ہیں جو لوگوں کو اُن کا دین سکھاتے ہیں اور اُن پر احکام شرعیہ کا اظہار کرتے ہیں یعنی وہ علما مراد ہیں جو

تلقین دین اسلام کرتے ہیں اور مسلمین کو احکام شریعت بتاتے ہیں۔
 میں اس رائے سے بھی اتفاق نہیں کرتا۔ گو یہ روایت ثعلبی نے ابن عباس سے بیان
 کی ہو اور ساتھ ہی حسن بصری اور حاکم کا قول بھی یہی ہے۔ ہمیں سب سے پہلے واقعات
 پر نظر ڈالنی چاہیئے اور دیکھنا چاہیئے کہ خلفائے راشدین کے وقت سے آج تک کوئی مفسر
 کوئی محدث کوئی مجتہد بھی ایسا گزرا ہے کہ جو صاحب حکومت ہوا ہو۔ اور اسکی اطاعت
 اس ملک کے مسلمانوں نے کی ہو۔ یہ دوسری بات ہو کہ خود شاہوں میں بڑے بڑے
 فاضل ہوئے ہیں۔ مگر انہوں نے کبھی فتوے نہیں دیئے۔ کبھی کسی معاملہ یا مسئلہ میں
 نہیں کیا۔ میں سب سے پہلے چار مجتہدوں کو پیش کرتا ہوں۔ اول امام عظیم کو ہی لو۔ کب انہوں
 نے دعوے کیا کہ اولی الامر کا اشارہ ہم جیسے لوگوں کی طرف ہو۔ کب انہوں نے کبھی کسی
 کہا کہ میری اطاعت کرو۔ کب انہوں نے اپنے استنباطی مسائل کے تسلیم کرانے میں کسی
 ایک شخص یا ایک گروہ پر زور دیا۔ اور کب انہوں نے جب ان سے کوئی مسئلہ دریافت
 کیا گیا۔ اشارہ بھی سائل سے یہ کہا کہ بتائے ہوئے مسئلہ کو ضرور مانند یہ اسیلئے تھا کیونکہ وہ
 جانتے تھے کہ اولی الامر کا اشارہ علما کی طرف نہیں ہو۔ اور اگر یہ کہیں کہ نہیں وہ یقین
 کرتے تھے کہ یہ اشارہ علما ہی کی طرف ہو۔ صرف اپنی کس نفسی سے انہوں نے ظاہر نہیں
 کیا تو اس سے انپر ایک بہت بڑا الزام قائم ہوگا کہ انہوں نے صرف اپنی کس نفسی کے خیال سے
 منشاء باری تعالیٰ کو پلٹ دیا۔ اور بنو عباسی خلفاء کو بڑا خلیفہ المسلمین کہا نہ صرف زبان
 بلکہ تحریر میں لکھا اور سچے دل سے اقرار کیا۔ مگر نہیں حضرت امام عظیم رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت
 میرا ہرگز یہ خیال نہیں ہے۔ ان کا اتنا انکی پرہیزگاری انکی دیانتداری ان کا زہد و تقویٰ
 ان کے ارادہ کا استقلال انکی مستحکم اور زبردست طبیعت کا میں قائل ہوں۔ میں کیا

یہ سب آسیرن جیسے مستعصب موعز مانتے ہیں اور وہ آپ کی تعریف میں رطب للسان ہیں اور اگر بغض محال سے بھی تسلیم کر لیں کہ آپ نے اپنی منکرانہ شان کو خلاف یکھا اور چونکہ آپ کو حکومت انتہا درجہ نفرت تھی اسلئے آپ نے صاحب امر یعنی صاحب حکومت ہونا گوارا نہ کیا تو پھر یہ لازم آئیگا کہ اُنکے عالم و فاضل پر شان شاگرد ابو محمد و ابو یوسف تو آپ کی وفات کے بعد آپ کی اطاعت ضروری کرتے۔ حالانکہ اُنہوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ متعدد مسائل سے اپنے اُستاد سے اختلاف کیا ہے تو اس سے یہ ظاہر ہو گیا کہ نہ امام عظیم نہ اُنکے وجہ التَّعظیم شاگرد نہ تو ثعلبی سے اس امر میں متفق تھے نہ اُنہوں نے حسن بصری اور حاکم کے قول کو مانا تھا۔ بلکہ اُنہیں معلوم تھا کہ اہل الامر سے مراد وہی لوگ ہیں کہ جو مومنین کے جان و مال کی حفاظت کرتے ہیں اسلام کی شان برقرار رکھنے کیلئے اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر سید جنگ میں نکلتے ہیں کافروں کو دائرہ اسلام میں لانا اور اسلامی ارکان کی اشاعت کرنا پانا فرض جانتے ہیں۔ نہ کہ وہ لوگ مراد ہو سکتے ہیں جنکے ہاتھ میں نہ تلوار ہو نہ وہ لاکھوں کروڑوں مومنین کی حفاظت کر سکتے ہیں۔

۱۱ اطاعت کو معنی میں کہ سیدہ خنیفہ کا اختلاف ہو علمائے معتزلہ تو اطاعت کی یہ تعریف کرتے ہیں الطاعة هي موافقة الالادة یعنی موافقت ارادہ کا نام طاعت ہو کسی شخص کے ارادہ کی موافقت کرنا گویا اُنکی طاعت کرنا ہو مگر علمائے اہل سنت و مفسرین علمائے متکلمین طاعت کی تعریف یوں کرتے ہیں الطاعة هي موافقة الامر لا موافقة الالادة یعنی موافقت ارادہ کا نہیں بلکہ موافقت امر کا نام طاعت ہو۔ اُنکی دلیل یہی ہے کہ موافقت امر کا نام طاعت ہو نہ کوئی نزاع نہیں ہو تو اس امر میں آیا جس شوکا حکم دیا جاتا ہو وہ اسکا ارادہ بھی ہو نا ضروری ہو یا نہیں پس جب ثابت ہوگا کہ جس شوکا حکم دیا جاتا ہو کبھی اسکا ارادہ نہیں ہوتا تو یہ ہی ثابت ہو جائیگا کہ طاعت سے مراد

پھر ایک گروہ کثیر علما کی یہ رائے ہے کہ اولی الامر سے مراد سلاطین مراد لینا اولیٰ ہے کیونکہ امر اور سلاطین کے اور مطلق پر نافذ ہوتے ہیں تو اولی الامر کا حمل ان ہی پر اولیٰ ہوا اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ آیت کا اول و آخر بھی اسی معنی سے مشابہت رکھتا ہے۔ پھر سہی گوئی علما کا اپنے دعوے کے وجہ بیان کرنے میں اور زور دیتا ہے اور کہتا ہے ”آیت کا اول سطور سے کہ خدائے تعالیٰ حکام کو ادائے امانات اور رعایت عدل کا حکم دیتا ہے اور آیت کا آخر اس سے مناسبت رکھتا ہے کہ خدائے امور مشکلہ میں کتاب و سنت کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا ہے اور سلاطین کیلئے زیادہ لایق ہیں نہ علما کے لیے۔

میری بھی یہی رائے ہے اور میں اس رائے سے پورا اتفاق کرتا ہوں۔ ایک بڑی بات جس کی طرف علی الخصوص میں مسلمانوں کی توجہ مبذول کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ علما کے ان اختلافات سے جو اوپر بیان ہوئے یہ بات تو بدرجہ اولیٰ ثابت ہو گئی کہ اولی الامر سے مراد اہل قریش ہی نہیں ہیں بلکہ کوئی علما کو کہتا ہے کوئی ائمہ معصومین سے مراد لیتا ہے کوئی امر اور سلاطین کی طرف زور دیتا ہے کچھ ہو ہمارا مطلب تو کافی طور پر نکل آیا کہ بعض نا فہم عیسائی جو اولی الامر کو قریش ہی کے لیے مخصوص کرتے ہیں۔ یہ کبھی قیامت تک نہیں ہو سکتا فاضل مونیخ سرولیم میور نے اسلام کو بھی عیسائی مذہب سمجھ لیا کہ پوپ یا اور پادری جب طرح کہ اپنے کلیسائی عہدوں میں قوم و ملک خاندان سے زیادہ فائدہ اٹھاتے ہیں اسی طرح اسلام میں بھی کوئی ان باتوں کا امتیاز رکھا گیا ہے اور قوم و ملک خاندان کی خصوصیت ہے۔ اسلام نے ان یہودہ استیاریہ مدارج خاندانی کو اڑا دیا اور اُس نے نیک اعمال ہونی کو فاضل ہونے کی نشانی قرار دی۔ کیا سچی مونیخ نہیں جانتے کہ دولت مند اور نسبت اعلیٰ اور نجیب الطرفین آقاعرب و مصر وغیرہ میں بڑی آزادی سے اپنے غلام کیسے

اپنی بیٹی کی شادی کر دیتا ہے۔ اور نہ اُس پر نہ اُس کے تمام خاندان پر انگشت نمائی یا طعنہ دینا کیجاتی ہے۔ کیا مسلمانوں میں غلاموں نے سلطنت نہیں کی۔ کیا دہلی کے خاندان غلامانہ کے بادشاہ نائب خلیفۃ المسلمین نہیں کہلائے۔ کیا بڑے بڑے قریش اور ہاشمی سرداروں و علمائے اُنکی اطاعت واجب نہیں جانی۔ پھر میں دریافت کرتا ہوں کہ کیوں اور کس لیے فاضل میور نے زبردستی یورپ کو اور ہندوستان کے ناظم دیسی عیسائیوں کو دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔

ایک اور گروہ علمائے کونہ بالا مفہوم پر زور دیکر لکھتا ہے کہ ”خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اطاعتِ امر کے بارے میں مبالغہ کیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے۔“ من اطاع امیری فقد اطاعنی ومن عصی امیری فقد عصانی ومن عصانی فقد عصی اللہ۔“

یہ ہیں وجوہ جن سے اولی الامر کا حل امر و سلاطین پر اولی معلوم ہوتا ہے۔ ہمارے مفسر عظیم حضرت امام فخر الدین رازی کی تقدیر اس طرف مائل معلوم ہوتے ہیں کہ اولی سے مراد علمائے دین ہو جن کا اجماع امت ہو سکتا ہے جو کچھ لیے حجت ہوگا مگر ہم جب اس پر غور کریں گے تو معلوم ہوگا کہ امام صاحب کی یہ رائے شاید انہیں کے زمانہ کیلئے مؤثر ہو کیونکہ آنجل جو کیفیت علما کی گزر رہی ہے اگر وہی اُس زمانہ میں بھی ہوتی تو امام صاحب علما کا نام اپنی کتاب ہی میں نہ لکھتے۔ علما کا اجماع کمان ہو۔ علمائے مقلدین و علمائے اہل حدیث باہم کیسا اختلاف رکھتے ہیں۔ وہ تو وہ مقلد آپس میں سخت اختلاف رکھتے ہیں اور غیر مقلد باہم ایک دوسرے سے کٹے مڑتے ہیں۔ عید گاہ کی چار دیواری کے جائز یا ناجائز ٹھہرنے کے مسئلہ میں خود غیر مقلدون میں جنہیں دوسرے لوگ وہابی کہتے ہیں (حالانکہ میں انہیں کبھی ابن الفاطم سے یاد نہ کروں گا) وہ وہ اختلاف ہوا کہ گالی گلوچ کی نوبت پہنچ گئی اور

دو گروہ سعیدینے اور ندیریئے قائم ہو گئے۔ تو پھر امام صاحب کی یہ رائے اگر صحیح ہو کہ اولی الامر سے مراد علمائے اہل حل و عقد ہیں مگر اسے ہم ہنگامی رائے یا تجویز یا خیال استنباط کہیں گے۔ اب ہذا صاوق کی طرح نہیں آسکتی۔ پھر اسی آیت کی تفسیر میں امام صاحب کو آگے چل کر یہ اقرار کرنا پڑا ہے کہ اولی الامر سے مراد ان وہ سلاطین ہو سکتے ہیں جو حق پر ہوں فاسق نہوں عابد زاہد ہوں۔ اسلام اور مسلمانوں کی حمایت ان کا شیوہ ہو بیشک اسے میں تسلیم کرتا ہوں چشم مارو شن دل ماشاؤ۔

ایک کمزوری دلیل امام صاحب نے اپنے سرسری دعوے کے ثبوت میں یہی ہے۔ آپ فرماتے ہیں چونکہ اوامر سلاطین پر عمل کرنا علمائے فتوؤں پر موقوف ہو اسیلئے دراصل اولی الامر اہل حق ہی ہوئے۔ یہ سب سے زیادہ ضعیف دلیل ہے اور کچھ اسمین امام صاحب کی بیدلی سی پائی جاتی ہے۔ یہ عجیب الٹی منطق ہے۔ چونکہ رعایا کی وجہ سے سلطان ہوتا ہے اسیلئے رعایا ہی سلطان ہے اور چونکہ باپ کی وجہ سے بیٹے کا طور ہے اس لیے باپ ہی بیٹا ہے چونکہ یل بھاپ سے چلتی ہے اسیلئے بھاپ ہی یل ہے۔ خالی فتوؤں کو کیا شہد لگا کر چاٹے۔ جب تک کہ سلطان ان فتوؤں کے منافی والا اور ان فتوؤں کی عظمت قائم رکھنے والا نہ ہو۔ خود خلفائے بنو عباس کے زمانہ میں کسی عالم یا مجتہد کا فتوے بغیر سیاست سلطانی اور انتظام ملکی کے چل سکا کبھی علمائے کسی فتوے نے غنیم سے ملک کو بچا لیا ہے۔ کیا کسی زمانہ میں قوانین جنگ کسی فتوے سے معلوم ہو گئے ہیں کیا کسی فتوے نے دنیا میں کوئی کام دیا ہے جب تک تلوار نے اسکا ساتھ نہ دیا ہو۔ انتظامی معاملات ملکی میں کس عالم کا فتوے لیا گیا۔ اور اگر لیا گیا تو وہ کہاں تک مفید پڑا۔ علمائے دلمغ صرف اسے قدر ہے کہ کسی مسئلہ میں خواہ اجتہاد خواہ تقلید! انہوں نے کوئی بات کہی۔ اب اس کا منوانا اور یقین دلانا یا علمد رآمد کرنا یہ سلاطین کا کام ہے۔

تو اب علما محتاج سلاطین ہوئے یا سلاطین محتاج علما ہوئے۔

اگر امام اعظم صاحب نے قاضی القضاۃ بننے سے انکار کر دیا تو ان کے حلیل القدر شاگرد نے کیون خوشی خوشی یہ عہدہ قبول کیا کیا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ ہارون رشید کو خلیفہ ^{منین} اور امیر المسلمین نہ کہتے تھے۔ کیا جب ہارون الرشید نے یہ درخواست کی تھی کہ میں یہ چاہتا ہوں آپ کی موطا کو کعبہ کے دروازہ پر لٹکا دوں اور لوگوں کو مجبور کروں کہ وہ اسپرچین تو آپ نے یہ جواب دیا تھا۔ اے خلیفہ المسلمین جس راہ پر وہ چل رہے ہیں انہیں چلنے دے شاید وہ ہی حق پر ہوں۔ اس جواب سے کئی باتیں پیدا ہو سکتی ہیں اول تو اجماع علما محال دوسرے فتاوے یا مذہبی تصنیف کی اشاعت بزور سیاست ہونا۔ تیسرے امام مالک کا خلیفہ المسلمین کہہ کر ہارون الرشید سے خطاب کرنا۔ گو میں علما اور سلاطین کو لازم و ملزوم بھی کہہ سکتا ہوں مگر ساتھ ہی اُسکے اتنا اور بڑھا تا ہوں کہ سلطنت بکثرت علما اپنے لیے پیدا کر سکتی ہو مگر علما اپنے لیے سلطنت نہیں پیدا کر سکتے۔ اسلام تو اسلام کسی دوسرے مذہب میں بھی اسکی مثال نہیں ملتی کہ کسی گروہ علمائے کہیں چھوٹی سی بھی سلطنت پیدا کر لی ہو اور پھر وہ دیر پا بھی ہوئی ہو۔ ہر یکے راہر کارے ساختند یہ بہت ہی درست اور صحیح ہے۔

اس سے ثابت ہو گیا ہو گا کہ امام صاحب کی یہ رائے کہ اولی الامر سے مراد علما ہیں کچھ ٹھیک نہیں بیٹھتی۔

دوسرا مسئلہ اور بھی اس آیت سے پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اطاعت صرف ایک وقت قیامت نہیں بلکہ تا قیام قیامت ضروری و واجب ہے یعنی مسلمانوں کو ضرور کسی نہ کسی کو خلیفہ ماننا پڑے گا۔ اور جب تک قیامت نہ ہو انہیں بغیر خلیفہ کے جو ان کے دین کی حمایت کرے رہنا

محال ہے کیونکہ اطیعوا اللہ سے فوراً یہ سمجھ میں آتا ہے کہ الی وقت کان۔ یعنی جب تک خدا ہو اس سے صاف ثابت ہو گیا کہ اطاعت فی کل الاوقات ضروری ہے۔ اگر ہم اسکے خلاف ایک وقت مخصوص اور کیفیت مخصوص مراد لین گے یعنی یہ کہیں گے کہ اولی الامر خلفائے راشدین مراد ہے تو آیت محل ہوگی مگر جب ہم عام طور سے مراد لین گے تو اس وقت آیت بنی ہے پس خدا کے کلام کا محل اسوجہ پر جو مبنی ہے اسوجہ پر محل کرنے سے جو محل و مہول ہے اولی ہے۔

یہ بار بار کہا جا چکا ہے کہ فرقان حمید کسی انسان کا کلام نہیں ہے نہ یہ کسی خاص موقع کیلئے موزون کیا گیا ہے بلکہ جب یہ خود ارشاد ہوا ہے کہ میں تمہارے دین کی تکمیل کر چکا اور اپنی پوری نعمت تمہیں دے چکا تو کیا کوئی اُسکے احکامات کو ہنگامی اور وقتی سمجھ کر اُسکے دین میں نقص پیدا کرنا چاہتا ہے۔ خود باللہ ہمارے خیال میں تو ایسا سمجھنے والا مسلمان نہیں ہو سکتا۔

ہاں اگر انجیل مقدس کی طرح چند افریقیہ کے وحشی بادیہ گردوں اور سکندریہ کے چند طلبہ نے قرآن کی (معاذ اللہ) تصنیف کی ہوتی تو اُسکے بھی احکام شب و روز بدلتے رہتے اور ہر قرآن کے بعد اس میں بھی ترمیم ہوتی رہتی۔ مگر جب یہ اُس ذات کی طرف منسوب ہے جو غلطی اور فروگزاشت سے بالکل منزہ ہے تو پھر اُسکے روشن احکام میں نہ ترمیم کی ضرورت ہے نہ ہو سکتی ہے۔ عیسائی اسکی ترتیب کو خواہ کسی قدر زائد ثابت کر نیکی کو کشش کیوں نہ کریں مگر اُنہیں بھی اقرار کرنا پڑا ہے کہ یہ کلام معجز نام ہے اور تعجب ہوتا ہے کہ اس کلام میں سب سے زیادہ معجزہ یہ ہے کہ یہ تیرہ سو برس سے کروڑوں قلوب پر حکومت کر رہا ہے اور اسکی حکومت اب تک دینی دنیا پر رز اور قومی جیسی اُس وقت تھی۔ برخلاف انجیل مقدس کے اسکی حکومت روز بروز قلوب پر سے کم ہوتی جاتی ہے اور کیا عجب ہے کہ بہت جلد جاتی رہے۔

تو اب یہ ثابت ہو گیا کہ جب ایک کتاب کا اثر ایسا دینی ہے تو ضرور اُسکے احکام بھی دینی

اور باقی ہونگے۔ اور جسطرح وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت پر صادق آتے تھے اور جسطرح خلفائے راشدین کے زمانہ پر ان کا اطلاق ہوتا رہا اور جسطرح عبدالنور امیہ بنو عباس بنو فاطمہ وغیرہ میں اسکے احکام بے کم و کاست تسلیم کئے جاتے تھے ایسے ہی اب بھی تسلیم کیے جاتے ہیں جب کہ پُرانے خداؤں کی حکومت کو زوال آچکا ہے بلکہ صفحہ مسیحی اُن کی حکومت مٹ چکی ہے جبکہ دیرینہ اعتقادات میں ضعف طاری ہوتے ہوئے اب ان میں رفق سی جان باقی رہ گئی ہے۔ اہل جبرکہ تمام قدیمی اقوام کے معبود ہمیشہ کیلئے گمراہی میں سوچے ہیں۔ الحمد للہ کہ فرقان حمید کا خدا اسی طرح زندہ و توانا ہو اور اُسکی حکومت دلوں پر اُسی زور و قوت کیساتھ سلامت ہو جیسی پہلے تھی۔ اور اُس میں ذرا سا بھی فرق نہیں آیا کہ کوئی مسلمان خواہ افریقیہ کا رہنے والا ہو یا ترکی کا۔ یورپ کا رہنے والا ہو یا امریکہ کا چین کا رہنے والا ہو یا ہندوستان و جاپان کا جس وقت کلمہ توحید کا اَللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰہِ پڑھتا ہے تمام جوش نئے سرے سے اُس میں عروج کرتا ہے۔ اُسکی رگوں میں محمد و ابراہیم علیہ السلام و موسیٰ کے سچو خدا کی محبت کا گرم گرم خون دوڑنے لگتا ہے اور اُسکے دل سے روشن اور برحق اعتقادات کا ایک چشمہ اُبتلا ہو۔ اور پھر وہ اپنے ذوالجلال رب کا شکر ادا کرتا ہو۔ کہ اُس نے اُسے ایسا زندہ۔ توانا اور پرزور مذہب دیا جسکے دو کلمے کروڑوں دلوں کو مسخر کر کے کیلئے ایک عظیم الشان معجزہ کا اثر رکھتے ہیں۔ پھر کون نادان یہ خیال کر سکتا ہو کہ اُس کے احکام کسی خاص قوم کسی خاص ملک خاص صنف سے کیلئے محدود ہیں اور اُس سے غیر پر صادق نہیں آسکتے۔ یہ لوگ گویا خدا سے عزوجل کی عام رحمتوں کا سد باب کرنا چاہتے ہیں اور نہیں چاہتے کہ اُسکے اور بندے بھی اس سے فیضیاب ہوں۔ اسی طرح جنہوں نے صرف قوم قریش ہی میں خلافت کو محدود کر دینے کا غم کیا ہے وہ بھی ان ظالموں اور خود غرضوں میں ہیں۔

جو امد کی رحمت کو محمد دوسے چند لوگوں پر خاص کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ یہ منشا نہ خود باری تعالیٰ کا ہے نہ محمد عربیؐ اُسکے رسول صادق کا۔

اب ہم اس روشن آیت کی طرف ناظر کی توجہ مبذول کرنا چاہتے ہیں اور دکھاتے ہیں کہ آیت سے بھی دوامی اطاعت کا حکم پایا جاتا ہو یا نہیں۔ اول اطیعوا اللہ ہو اس میں آیت مضاف کی گئی ہے اللہ کے لفظ کیساتھ اس سے لازمی و ضروری ہوا کہ اطاعت دوامی ہو۔ اسی طرح اطاعت رسول کہ اطاعت یا اتباع سنت مراد ہو۔ دائمی ہوئی۔ اب ایک بڑی بھاری بات اس سے یہ ثابت ہوئی کہ اطاعت اللہ کے معنی کلام مجید کے احکامات پر چلنا ہو اور اطاعت رسول کے معنی جیسا کہ ابھی بیان کیا ہو سنت نبویؐ کا اتباع ہو۔ چونکہ خلفا کا کوئی خاص دستور العمل نہیں ہوتا اسلئے ہر زمانہ میں جو خلیفہ ہو اُسکی اطاعت واجب ہے۔

ہم کیا۔ بڑے بڑے فقہا مجتہدین اور محدثین نے اُن خلفا کی اطاعت کی ہو جو وقتاً فوقتاً یکے بعد دیگرے تخت خلافت پر جلوہ فگن ہوتے رہے۔ بنو امیہ خلیفہ کہلائے جاتے تھے۔ بنو عباس سب خلیفہ تھے یہ بات دوسری ہو کہ ہم کسی خلیفہ کی غلط کاریوں کا روزنامے بیٹھیں اور کہیں کہ اُس نے یہ یہ مظالم کیئے۔ جبکہ ہم سوائے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی کو معصوم نہیں سمجھتے۔ اور قبول کرتے ہیں کہ غیر رسول میں خطا کا احتمال ممکن ہو پھر کیوں بعض خلفا کی غلط فہمیوں یا اجتہادی خطاؤں سے یہ بات ثابت کریں کہ وہ خلیفہ نہ تھا۔

ان کی تحریروں میں خلیفہ المسلمین لکھا جاتا تھا بڑے بڑے علما اُن کے ناموں کا خطبہ منبر پر پڑھا کرتے تھے۔ میں ایک دلچسپ خط خلیفہ ہارون الرشید کا نقل کرتا ہوں جو شاہ مشرقی یعنی قصر روم کو اس وقت بھیجا گیا تھا جب کہ اُس نے خراج دینے سے انکار کیا تھا چنانچہ وہ خط یہ ہو۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ خلیفہ المسلمین امیر المومنین ہارون الرشید کی طرف
سگ رومی کو معلوم ہو کہ اوکا فر کے بچہ تو میرے جواب کا منتظر نہ رہ۔ تو
دیکھے گا کہ کیا ہوتا ہے۔“

موسیٰ و لیٰ بیان ایک بنظیر فرانسیسی محقق لکھتا ہے کہ آخر اس سگ رومی نے خراج دینے پر اپنی
نجات ڈھونڈ لی کیونکہ خلیفہ نے اسکی سلطنت زیر و زبر کر ڈالی تھی۔

اب ایک بات اور بھی دیکھنی اس آیت میں باقی ہے اور وہ یہ ہے کہ جو شان اطیعوا اللہ کی
ہو وہ اطیعوا الرسول کی نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دو جگہ طاعت کا لفظ ارشاد فرمایا ہے
ہو کہ سبحانہ تعالیٰ کی تعلیم بہت بڑے ادب پر مبنی ہے اس نے اس بات کو بتا دیا ہے کہ اسکا نام
اور اس کے غیر کا نام ایک ہی حکم میں جمع نہیں ہو سکتا۔ اُس والجلال والا کرام نے اپنی بڑی
شان معبودیت اس میں ظاہر کی ہے۔ تو اب دو قسم میں ہو گئیں۔ ایک میں تو طاعت خدا
اور دوسرے حکم میں طاعت رسول اولی الامر بیان ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ خلیفہ
کی طاعت طاعت رسول ہے یعنی جس طرح طاعت رسول واجب ضروری ہے اسی طرح طاعت
اولی الامر واجب ضروری ہوئی تو اب جنھوں نے عبد الحمید خان کے خلیفہ المسلمین ہو کر
انکار کیا انھوں نے گویا طاعت رسول سے انکار کیا اور یہ کبھی کوئی مسلمان نہیں کر سکتا۔
جو کچھ ہمیں ثابت کرنا تھا ہم اس آیت سے ثابت کر چکے۔ اگر ہمارے متنباطی مطالب
لوگوں کی سمجھ میں آگئے تو ہم سمجھیں گے کہ ہم نے ایک بڑے فرض کی انجام دہی کی مگر اس
آیت کی تفسیر ختم کر نیسے پہلے ہم ایک سرسری نظر ان کل تفسیرون پر جو ہم ابھی کر چکے ہیں
ڈالنا چاہتے ہیں جس سے ہمارا مقصود اس طویل تحریر کا جو ہم نے کی ہے لب لباب بیان
کر دینا ہے۔

اس سے تو کوئی انکار ہی نہیں کر سکتا کہ اس آیت کی تفسیر میں اختلاف بہت ہو جیسا کہ ابھی معلوم ہو چکا ہو اور جس طرح ہم نے ان اختلافات کو دکھا کر اپنے رائے دی ہو وہ ہمارے دعوے کی پوری دلیل ہو سکتی ہو۔

غور سے پڑھو اور اختلاف تفاسیر کو سمجھ کر دیکھو تو تمہیں کھل جائیگا جو کچھ ہم نے آیت کے مختلف معنی بیان کیے ہیں وہ کس قدر صحیح ہیں۔ یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ ہمارا دعویٰ ذاتی دعویٰ ہے نہیں ہم بڑے بڑے مفسرین کو بھی اپنی تائید میں پاتے ہیں جنہیں سے چند مفسرین کے اقوال پیش کرنے پر اکتفا کرینگے۔ اور ہمارے خیال میں یہی کافی بھی ہونگے کیونکہ ہمارا منشا تحریف کو زیادہ طول دینے کا نہیں ہو۔

حضرت امام نسفی علیہ الرحمۃ اس آیت کو تحت میں فرماتے ہیں۔

”دلت الایۃ۔ علی ان طاعة الامراء واجبة۔ اذا وقعوا الحق فاذا خالفوا فلا طاعة

لهم لقولہ علیہ السلام لا طاعة لمخلوق فی معصیۃ الخالق۔

ترجمہ۔ آیت دلالت کرتی ہو کہ امراء کی اطاعت واجب ہو جب کہ وہ حق کی موافقت کریں اور

جب مخالفت حق کریں تو طاعت نہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا،

خالق کی معصیت میں کسی مخلوق کے لیے اطاعت نہیں۔“

تفسیر مدارک التنزیل حقائق التاویل مصنفہ حضرت امام نسفی مصنف عقاید نسفی مطبوعہ مصر ترجمہ

تفسیر خازن جلد اول صفحہ ۴۸۰۔

ناظرین سمجھ گئے ہونگے کہ ہمارا یہ ذاتی دعوے نہیں ہو کہ اولی الامر سے مراد سلاطین

یا صاحب حکومت ہیں بلکہ ہمارے فاضل اجل علامہ زمان حضرت امام نسفی نے بھی ہم ہی کو دگری دی ہے۔ اسے ہم تسلیم کرتے ہیں کہ سلطان فاسق و فاجر بدخواہ مومنین بے نمانی غیر

زادہ نہ تو وہ بیشک خلیفہ بننے کا سزاوار نہیں ہے۔

اب میں پھر اپنے اصلی مطلب کی طرف آتا ہوں اور ایک آدھ اور مفسر کا قول نقل کرتا ہوں تاکہ لوگوں کو میرے ثبوت و دعویٰ کی دلیلوں اور استنباطی مسائل میں کوئی شک و شبہ باقی نہ رہے۔

تفسیر خازن

”اختلف العلماء في اولى الامر الذين اوجب اليه اطاعتهم بقوله اولى الامر منكم قال ابن عباس جابرهم الفقهاء والعلماء الذين يعلمون الناس معالم دينهم وقال ابن هريре الامراء والولاة وقال ميمون بن مهران هم امراء الترا ما والبعث وقال اكثر اذاديا ولى الامر ابلكرو عمر۔ وقيل هم جميع الصحابة قال الطبري واولى الامر اقال بالصلو حول من قدام الامراء والولاة لصحة الاخبار عن رسول الله صلى الله عليه وسلم بالامر بطاعة الائمة والولاة في مكان الله عز وجل طاعة والمسلمين مصلحة۔“

ترجمہ اولی الامر کے بارے میں جبکی اطاعت اللہ اولی الامر منکم سے واجب قرار دی ہو علمائے مختلف کیا ہو اب ابن عباس اور جابر نے کہا ہے کہ اولی الامر سے مراد فقہاء اور علمائے دین جو لوگوں کو دینی امور تسلیم کرتے ہیں ابو ہریرہ نے کہا ہے کہ اولی الامر سے مراد اُمراء و ولاۃ ہیں یہی ميمون بن مهران کا قول ہے۔ عکرمہ نے کہا ہے کہ اولی الامر سے حضرت ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہم مراد ہیں۔ ایک ضعیف قول یہ بھی ہے کہ اس سے مراد جمیع صحابہ ہیں بطبری نے کہا ہے کہ ان تمام اقوال میں سب سے زیادہ درست قول اس شخص کا ہے جس نے کہا ہے کہ اولی الامر سے مراد اُمراء و ولاۃ ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے امام کی اطاعت کے بارے میں صحیح حدیثیں آپ کی ہیں۔ اسوقت میں جب کہ ہمیں اللہ کی اطاعت اور مسلمانوں کی مصلحت ہو۔

(در تفسیر باب فتاویٰ فی مقالی استنبز بل تصنیف خازن بغدادی جلد اول صفحہ ۴۸۰)

یہ جتنے اقوال ہیں صحابہ کے ہیں اور ہر ایک اپنے اپنے دعویٰ کا احادیث نبوی سے استدلال کیا ہے جن احادیث کو نقل کرنے سے سوائے طوائف کے کچھ حاصل نہیں ہے مولا سید محمد یسنا کا کافی ہے کہ کثرت رائے امر و مسلمائین کی طرف ہے ۱۲
یہ وہ طبری نہیں ہیں جو مصنف ہیں بل کہ تاریخ طبری ہے اور جن کا ناناہ خلیفہ مامون کے عہد دولت میں تھا کہ یہ علم تفسیر کے بہت بڑے امام ہیں جن کا ترجمہ صاحب کشف کے برابر ملکہ زیادہ سمجھا جاتا ہے ۱۳

علمائے کہا ہر امام دینے سلطان جو لفظ رعیت کیساتھ زیادہ مناسبت رکھتا ہے کی اطاعت رعیت پر واجب ہے۔ جب تک کہ وہ اللہ و رسول کی اطاعت کرے۔ پس جب وہ کتاب سنت و زائل ہو جائے اُسکے لیے کوئی اطاعت نہیں۔ اور جزا میں نیست کہ اُسکی اطاعت اُسوقت واجب ہے جب کہ وہ موافق للحق ہو۔

از تفسیر کشف المحشری

ایہ اطیعوا اللہ الخ

اُس سے پہلی آیت میں جب خدا نے دایوں کو اُن کے اہل کے پاس امانات پہنچانے کا حکم دیا اور اس امر کا کہ وہ لوگوں میں عدل کریں تو اب اس آیت میں لوگوں کو اس امر کا حکم دیا کہ وہ اُن کی اطاعت کریں اور اُن کے فیصلوں پر راضی ہوں۔ اولی الامر منکم سے امر بالمعروف اور نہی عنکر امر بالمعروف جیسے اللہ و رسول بری ہیں تو پھر اللہ و رسول پر عطف نہیں کیے جاسکتے۔ اللہ و رسول اور علماء جہان کے موافق ہیں یا نفاق صل ختمیہ ارجح۔ امر بالمعروف اور نہی عنکر میں جمع ہوئے ہیں جیسے خلفائے راشدین اور وہ شخص جو ان کی پیروی کرے چنانچہ خود خلفا کا قول ہے اطیعوا فی ما عدلت فیکم فان خالفت فلا طاعة لی علیکم یعنی جب تک میں تم میں صل کروں میری طاعت کرو اور اگر میں نے مخالفت عدل کی تو پھر تمہیں میری اطاعت لازم نہیں۔

ابی حازم سے روایت ہے کہ مسلمہ بن عبد الملک نے اُس سے پوچھا کیا تمہیں اللہ کے قولی الامر منکم میں ہماری اطاعت کا حکم نہیں دیا گیا۔ ابو حازم نے جواب دیا کہ جب تم نے اللہ کے قول فلان تنازعتم سے مخالفت کی تو وہ امر تم سے سلب کر لیا گیا ہے پھر بیان کیا گیا ہے کہ اولی الامر سے مراد امر اور سرایا ہیں چنانچہ آخرت

سہ بیان کیا گیا لفظ قیل کا ترجمہ ہے جو ضعیف قول ہے بولا جاتا ہے۔ میں نے کثافت کی عربی عبارت پسہب طول کے نقل نہیں کی صرف ترجمہ کر دیا ہے مگر ترجمہ میں مصنف کے مطالب کا لحاظ کیا گیا ہے ہر شخص اس کتاب سے مقابلہ کر سکتا ہے۔ ۱۳

صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہو کہ من اطاعنی فقد اطاع اللہ ومن عصانی فقد عصی اللہ من
بطع امیرہ فقد اطاعنی ومن بصر امیرہ فقد عصانی۔ دوسرا ضعیف قول یہ کہ اولی الامر سے
مراد علمائے دین و ائمہ دین جو لوگوں کو دین سکھاتے اور اہم بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے ہیں۔

یہ صاحب تفسیر کشاف کی تحریر ہے جو ہم نے ذکر و کاست نقل کر دی ہے۔ اب ہم اسپر ایک سری
نظر ڈالتے ہیں اور دکھاتے ہیں کہ انکی رائے ہمارے خیال کی کجمان تک تائید کرتی ہے۔ اول تو
یہ کہ زنجشیری کی مستقل رائے یہ ہو کہ اولی الامر سے مراد سلاطین و ائمہ دین۔ اور پھر وہ ان ائمہ
اور سلاطین میں قوم قریش کی تخصیص نہیں کرتے۔ یہ وہ نہیں کہتے کہ خلیفہ یا امیر یا امام قریش ہی
میں سے ہونا چاہیے۔ کیا یہ خیال میں آسکتا ہو کہ انھوں نے بخاری کی اس حدیث پر نظر نہ
ڈالی ہوگی یا خاص اُن صحابہ کو جو ہر وقت حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت
میں حاضر رہتے تھے۔ اور جنہوں نے کبھی تخصیص کی طرف اشارہ بھی نہیں کیا ہو۔ اس حدیث کا علم
نہوگا۔ یہ کیونکر سمجھ میں آسکتا ہو۔ ایسا خیال کرنا اُن صحابہ کے ساتھ بڑی سوراہی ہو دوسرے
کسی مفسر کی یہ رائے نہیں ہو خواہ وہ ہمارا ہنخیاں ہو یا نہ ہو کہ قریش کے سوا کوئی خلیفہ ہی
نہیں ہو سکتا۔ ہمارے امام فخر الدین رازی نے اس آیت پر طول طویل بحث کی ہے۔ مگر کمین
انھوں نے اشارتاً بھی تخصیص کی طرف اشارہ نہیں کیا اور اگر کمین دبی زبان سے قول
نقل بھی کیا ہو کہ اولی الامر سے مراد خلفائے راشدین ہیں تو وہ میں یہ لکھ دیا ہو کہ یہ قول
بہت ہی ضعیف ہو۔ بایں ہمہ یہ تو کسی نے بھی نہیں لکھا کہ خلیفہ قوم قریش کے سوا کسی
میں ہو ہی نہیں سکتا۔ پھر میں نہیں خیال کر سکتا کہ جہنل موع و ولیم اور اسکی ہم آہنگی
کر نیوالے کر شان کیوں اسپر زور دیتے ہیں اور کیلئے انھوں نے ہوا پر قلعہ بنائیکی کوشش
کر رکھی ہے۔ بخاری کی یہ حدیث اگر ضعیف بھی نہ مانیں بلکہ حسن یا اُس سے بھی زیادہ صحیح مرفوع

متصل یا اور بھی ایسی حدیث تسلیم کر لیں جو تو اتر تک پہنچی ہوئی ہو پھر بھی یہ مجبوراً تسلیم کرنا پڑ گیا کہ اسکے یہ معنی نہیں ہیں جو سمجھ لینے گئے ہیں بلکہ اس کا مطلب کچھ اور ہی ہے جو ہم آگے بیان کریں گے۔ اسلئے کوئی حدیث ایسی نہیں ہو سکتی جو صحیح نص کے خلاف ہو۔ اور اگر ایسی کوئی حدیث ہو تو ہم مسلمان اُسے مردود حدیث کہتے ہیں چنانچہ خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

”اذا روي عنى حديث فاعرض على كتاب الله فان وافق فاقبله واكافره وادّٰه
يئنّ جب میری طرف سے کوئی حدیث روایت کی جائے تو اُسے کتاب اللہ پر پیش کر دو پس اگر
اُسکے موافق ہو تو اُسے قبول کر دو ورنہ رد کر دو۔“

اگر ہم بخاری کی اس حدیث کو نہ بھی مانیں تو ہم پر کچھ الزام نہیں پھر بھی ہم اسے صحیح حدیث تسلیم کر نیکیے بعد اسہ آئندہ بسیط بحث کریں گے۔

صاحب تفسیر کشاف کا یہ فرمانا صحیح ہے کہ اولی الامر سے مراد امراء الحق ہیں نہ امراء الجور بیشک ظالم کی اطاعت کسی طرح لازم نہیں ہے۔ کیونکہ ظالم کے مظالم سے مسلمانوں کی جان و مال محفوظ نہیں ہو سکتے۔ کلام خدا اور دین خدا کی حرمت نہیں ہوگی۔ مسلمان آسانی سے غیر اسلام کے شکار بن جائیں گے اور انہیں قتل و غارت کا بازار گرم ہوگا۔ اور وہ ہرگز خدا کی برکتوں کو عام نہ کر سکیں گے مثلاً حجاج بن یوسف جیسے ظالم اور ناشدنی امیر کی اطاعت کسی طرح جائز نہ تھی حقیقت میں اُس نے مسلمانوں ہی کی نہیں بلکہ نفس اسلام کی بربادی پر کمر باندھ لی تھی اُس نے نہ صرف دین خدا کی توہین کی بلکہ اُس پاک اور مقدس شہر کی بھی جہان ہمارا نجات دہندہ ہمارا شفیع ہمارا مقتدار ہجرت کر کے آیا تھا اور اُسی شہر میں وفات پائی سخت بیعزتی کی مسجدوں میں گھوڑے باندھے مسلمانوں کو قتل کیا عورتیں خراب کی گئیں اور اس سے

بھی زیادہ مسلمانوں پر سخت سخت ظلم توڑے گئے ایسے ظالم کی صرف اطاعت ہی نہ کرنی چاہیے۔
ہر بلکہ اس سے ہمیشہ کیلئے آرام کی نیند سلا دینا چاہیے۔

برخلاف اس کے اگر کوئی امیر یا سلطان ایسا ہو جو مصنف بھی ہو حمد دل بھی ہو اور سب سے زیادہ مسلمانوں کا ہی خواہ اور اسلام کے نام پر جان دینے والا ہو اور جس نے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی وہ حفاظت عزت عظمت قائم کر رکھی ہو جیسی خلفائے راشدین کی وقت میں تھی تو ایسا سلطان قابل اطاعت ہو سکتا ہے۔ اور اس کا شمار اولی الامر منکم میں ہو سکتا ہے۔

پھر صاحب کشف اس قول کو ضعیف شمار کرتے ہیں کہ اولی الامر سے مراد امرار سرایا ہیں ایسے انھوں نے لفظ فیل کا استعمال کیا ہے جس سے بطور ایک بے بنیاد افواہ کو مطلب سمجھ میں آتا ہے جس قول کے پہلے فیل ہوا اس کی کچھ بھی وقت نہیں ہوتی۔ اس سے ضائل مفسر کی یہ رائے ہے اور فاضل مفسر نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اولی الامر عام ہے خاص نہیں ہے اگر صرف امرار سرایا کا اطلاق ہوتا تو یہ خاص ہو جاتا۔ اور کلام خدا یا تعلیم خدا کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ اپنی ایسی ہدایت یا ایسے حکم کو جو سپر مسلمانوں کی ترقی اور دین اسلام کی نشوونما موقوف ہو چند نفوس کیلئے خاص کر دے اور پھر آئندہ ان نفوس کے گزر جانیکے بعد اسلامی حکومت پاؤ پار ہو جائے اور پھر کوئی اس کا سرپرست نہ رہے اور اسلام کسی کو نہ کھدرے میں چھپتا پڑا پھرے۔ اسکے بعد صاحب تفسیر کشف نے اس قول کو کہ اولی الامر سے مراد علمائے دین ہیں ضعیف ٹھیکر اس کی طرف توجہ بھی نہیں کی۔ جسے ہم بدرجہ اولی ضعیف نہیں بلکہ ضعیف ثابت کر چکے ہیں۔ ہمارے خیال میں اب تو کسی شخص کو کوئی وجہ شک باقی نہیں رہی ہوگی اور جہان شک کچھا جاتا ہو اسکے خلاف کوئی زبان نہیں ہلا سکتا۔

اب ہم احادیث نبوی کی طرف توجہ کرتے ہیں اور دکھاتے ہیں کہ اس حدیث سے بھی

جس سے مخالف استدلال کرتے ہیں۔ ہماری رائے کی ذرہ برابر بھی مخالفت نہیں ہوتی۔
پہلی حدیث تو بخاری شریف میں خلافت قوم کے بارے میں یہ آئی ہے۔

”کان محمد بن جبیر بن مطعم یحدث انه بلغ معاویة هو عندہ فی وفد من قریش
ان عبد اللہ بن عمر بن العاص یحدث انه سیکون ملک من قحطان فغضب فقام
فاثنی علی اللہ باہواہلہ ثم قال اما بعد فانه بلغنی ان رجلا منکم یحدثون باحاد^{یث}
لیست فی کتاب اللہ ولا توشی عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واولیک جماعکم
ما یا کمالا فانی التی تفضل اہلہا فانی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول
ان ہذا الامر فی قریش لا یعدیہم احد الا کبد اللہ فی النار علی وجہ ما امو اللہ“
ترجمہ محمد بن جبیر بن مطعم حدیث بیان کرتے ہیں کہ وہ معاویہ کے پاس قریش کے ایک شخص کے
ساتھ گئے کہ عبد اللہ بن عمرو بن العاص بیان کرتے ہیں کہ غقریب ملک بن قحطان میں سے
ایک ملک ہوگا۔ یہ سن کر معاویہ غصہ میں پڑ گئے۔ پھر اُسٹھے پھر خدا کی جگہ کا وہ سختی ہو تعریف کی
کئے گئے۔ اما بعد پس مجھے یہ خبر معلوم ہوئی ہے کہ تم میں سے کچھ اشخاص ایسی حدیثیں
بیان کرتے ہیں جو نہ کتاب اللہ میں ہیں نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہیں یہ
لوگ تمہارے بھلا ہیں۔ پس تم اپنے کو ان امید رکھ بچاؤ جو اپنے امید رکھنے والے کو گمراہ
کر دیتے ہیں پس بیشک میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ فرماتے تھے
یہ امر قریش ہی میں رہے گا اور کوئی شخص ان سے دشمنی نہ رکھے گا مگر یہ کہ اللہ اسے دفع
میں مرنے کے بل اور خدا گرائے گا جب تک کہ وہ دین کو قائم رکھیں“

اب اس حدیث شریف پر ہم ایک سرسری نظر ڈالتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ حدیث ہمارے
مقاصد کے کس قدر منافی اور کتنی مطابقت ہے۔ اس حدیث شریف کے راوی محمد بن جبیر بن

میں اور صرف ان ہی کے بیان کے بموجب یہ معلوم ہوتا ہو کہ وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور انہوں نے بیان کیا کہ عنقریب ابن قحطان میں سے ایک بادشاہ ہوگا یہ سن کر حضرت معاویہ سخت غضبناک ہوئے۔ یہاں تک کہ وہ مارے غصہ کے کھڑے ہو گئے اور انہوں نے نہایت دشتی اور سختی سے محمد بن جبیر مطعم کو لٹکارا اور کہا کہ تمہارے جلد ایسی باتیں یا حدیثیں بیان کرتے ہیں جو نہ کتاب اللہ میں ہیں نہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مروی ہیں۔ یہ غصہ نہ صرف جہلا اور عوام پر تھا بلکہ امیر معاویہ نے خود ان پر غصہ کیا اور تنبیہ کی کہ اپنے کو ان امیدوں سے بچاؤ۔ اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ محمد بن جبیر کا بھی یہی خیال تھا کہ ابن قحطان میں سے بادشاہ یا امیر یا خلیفہ یا امام ہونا چاہیے جسکی حضرت امیر معاویہ نے بہت زور شور سے تردید کی اور کہا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرما چکے ہیں کہ یہ امر فریض ہی میں رہیگا اور بس۔ مگر حضرت امیر معاویہ نے اپنے دعوے کی دلیل میں نہ کسی صحابی کا قول پیش کیا نہ کوئی حدیث پر مبنی صرف حضرت معاویہ کا اس قدر کہہ دینا کوئی حجت نہیں ہو سکتا۔ امیر موصوف ملکی معاملات خوب واقف تھے وہ سیاسی معاملات کے آثار چڑھاؤ کا علم بخوبی رکھتے تھے انہیں معلوم تھا کہ اگر کوئی نیا خلیفہ یا امیر پیدا ہو گیا تو خلافت دمشق کس قدر خطرے میں پڑ جائیگی اور جس کوشش سے کہ خلافت کو ایک مستقل صورت میں کیا ہے وہ سب جاتی بیگی۔

حضرت امیر معاویہ کا زمانہ خلافت نہایت پر آشوب گزرا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ جنگ کی تیاریاں بخارجیوں کا خروج پہراپنے ضعیف بیٹے یزید کی آئندہ خلافت کی کوششیں اور مشرقی سلطنت یعنی دولت قسطنطنیہ کی چڑھائیاں۔ یہ امر ایسے تھوڑے سے خلافت دمشق ایک سخت ترزل کی حالت میں تھی۔ ایسی حالت میں محمد بن جبیر مطعم کا یہ کہنا کہ

بنی قحطان میں سے ایک بادشاہ ہوگا۔ حضرت معاویہؓ کے بڑے کانیکے لئے کافی تھلا اس
 کہنے سے امیر موصوف کو یہ بھی خیال گزرا ہوگا کہ شاید بیان کرنے والا بھی اسکی تائید کرتا ہو
 اس سبب سے امیر موصوف نے صاف اور گرم بلکہ تنبیہ کنان الفاظ میں کہدیا کہ ہرگز ایسی امید نہ کرنا
 اصل میں دیکھا جائے تو ایسی نازک حالت معاملات میں انہیں ایسی تندی اور ہشتی سے
 کہنا بھی چاہیئے تھا تو جب کیفیت ہو تو پھر حضرت امیر معاویہ کا قول یا روایت اسلامی اصول
 کے لحاظ سے حجت نہیں ہو سکتی۔ مگر نہیں تو پڑی دیر کیلئے ہم اسے بھی تسلیم کرتے ہیں کہ جو کچھ
 حضرت امیر معاویہ نے روایت کی وہ بالکل صحیح ہو اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایسا
 ہی فرمایا تھا مگر ہمیشہ طبعی تو موجود ہے کہ یہ امر یعنی خلافت قریش میں اسوقت تک پہنچی کہ
 جب تک وہ دین کو قائم رکھنے کے قابل ہوں۔ امتداد صد فنا چشمہ باروشن دل شاد اسے ہم
 بے کم کاست مانتے ہیں اور ہمارا سپر ایمان ہے تو اب یہ دیکھنا ہو کہ اس شرط کے معنی کیا ہیں
 اس شرط لگانے کی مراد کیا سمجھ میں آتی ہو۔ اسکا فشار یہ ہو کہ خلافت اسوقت تک قوم قریش
 میں رہے جتنا کہ وہ حکومت کر نیسکے قابل ہوں کیونکہ بغیر قابلیت سلطنت کے دین اسلام کو
 کوئی سلطان قائم نہیں رکھ سکتا۔ اسکی نظیر میں ہزاروں موجود ہو اگر خلیفہ اول حضرت ابو بکر
 رضی اللہ عنہ میں قابلیت سلطنت نہ ہوتی تو وحشی عربوں نے جنہوں نے رسول کریم کے صل کے
 بعد سر اٹھایا تھا اسلام کو پارہ پارہ ہی کر دیا ہوتا۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک پیشین گوئی
 ہو کہ جب تک قریش قابل رہینگے ان میں خلافت رہیگی چنانچہ یہی ہوا جب تک نبی آ
 کم زیادہ قابل ہوتے ہو دین اسلام کو بہت دور تک فروغ ہوا اور اسکی بنیادیں یورپ
 تک میں جا کر جم گئیں مگر جب وہ ضعیف ہوئے خدائے انہیں مٹا دیا اور ایسا مٹایا کہ لگی قرین
 تک انکھڑا کر پھینکوا دین پھر بنو عباس کی زمانہ شروع ہوا۔ یہ بھی بنی امیہ کی طرح قریشی تھے اور

مزید بر آن حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کی اولاد بھی تھے۔ اسلام نے ان کے زمانے میں خوب نشوونما پائی مگر جب وہ بھی ضعیف ہو گئے تو ہلاکو خان کے لشکر نے آخری خلیفہ بنو عباس کی لاش کو بغداد کے دروازہ کے سرے پر لٹکا دیا اور اسلام بہت پرستوں کے قدموں کے نیچے چلا گیا۔ خدا کی شان ان فاتحوں نے مفتوحوں کا دین قبول کر لیا اور انکی حکومت ہو گئی۔ اندلس میں بھی یہی ہوا کہ بنی امیہ کے خاندان کا ایک بچہ بہاگ کر اندلس چلا گیا اور اسی نے وہاں سلطنت کی بنیاد ڈالی۔ اسلام کو ان خلفائے زمانہ میں بہت کچھ فروغ ہوا اور جب ان پر بھی طاری ہوا اور وہ بھی اسلام کو ہمیں سنبھال سکے تو اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ اسامیہ کیلئے وہاں سے نکال دیا گیا۔ اور آٹھ سو برس کی اسلامی سلطنت کے باقیات الصالحات بہت ہی کم وحشی عیسائیوں کے ہاتھوں سے بچ بچائے نظر پڑ جاتے ہیں۔ مسجدین منہدم کر دی گئیں اور قبرستان بڑے بڑے مقبرے اور زیارت گاہیں اٹھ کر پھینک دی گئیں تو آخر یہ خلافت آج عثمان کی طرف پھر گئی۔ اور اس لحاظ سے اسی حدیث کے مطابق ہمیں یہ تسلیم کرنا پڑے گا اور از خود ماننا پڑے گا۔ چونکہ کوئی ایسا قوم قریش میں نہیں رہا۔ اسلئے سلطان عبدالحمید خان غازی بدرجہ اولیٰ خلیفہ المسلمین ہو۔ کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فرمایا کہ قوم قریش کے ختم ہونیکے بعد کسی اور قوم اسلام میں خلیفہ ہی نہیں ہو سکتا آپ کا یہ فرمانا برحق ہے کہ جب تک قریشوں میں دین سنبھالنے کی قوت باقی رہے ان میں اور یعنی خلافت ہر سبکی اور جب ان میں یہ قابلیت باقی نہ رہے تو اسوقت دوسری قوم کا خلیفہ ہو سکتا ہے۔ تو اب ہمیں کوئی بتائے کہ قوم قریش میں کون شخص ایسا لائق اور قابل ہے کہ اسے خلیفہ بنائیں اگر کوئی شخص لکھ کر کی طرف اشارہ کرے تو ہم بیان صرف اسقدر کہیں گے کہ جنہوں نے شریف صاحب کی ملازمت کا شرف حاصل کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ شریف صاحب صرف بدون سے فی اونٹ

کچھ جزیرہ یا حتی شریفی لینے کے اور کچھ نہیں جانتے۔ اور ہم خیال کرتے ہیں کہ اس سے کوئی انکار بھی محرمے گا۔

دوسری حدیث شریف اور بھی بخاری میں سے نقل کرتے ہیں اور دکھاتے ہیں کہ اس میں رسول مقبول کا کیا شمار ضرور ہے اور ہمارے بیان کردہ منشاء سے واقعات کا کھانک تطابق ہوتا ہے۔

لَا نَسْأَلُ هَذَا إِلَّا مِثْقَالَ قَرِيشٍ مَا بَقِيَ مِنْهُمْ أَثْنَانِ

ترجمہ۔ یعنی۔ یہ امر (خلافت) قریش ہی میں بیگا جب تک کہ ان میں سے دو شخص بھی باقی ہوں (صحیح بخاری جلد اول صفحہ ۴۹۷ مطبوعہ مطبع مصطفائی باب مناقب قریش)

اس حدیث شریف میں بھی قید موجود ہے۔ یعنی خلافت اس وقت تک قریش میں ہی رہے گی جب تک ان میں سے دو شخص بھی ہوں۔ یہ کوئی ہدایت نہیں ہے کوئی نصیحت نہیں ہے کوئی وصیت نہیں ہے بلکہ صرف ایک پیشین گوئی ہے اور وہ پوری ہو گئی۔ دو قریش سے مقابل اور لایق قریش مطلب ہے۔ جو سلطنت اور دین کو سنبھال سکیں کیا کوئی نادان شخص یہ سمجھ سکتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ مراد ہو کہ چاہے قریش قابل ہوں چاہے جاہل ہوں چاہے زانی اور بدکار ہوں ان کے مقابلہ میں دوسرا شخص خلیفہ ہی نہ بنایا جائے چاہے اسلام شیعہ یا یہ نہیں تو وہ نہیں۔ یہ خیال کرنا اسلام سے ہاتھ دھو بیٹھنا ہے۔ اسلام نے نسب کی قید لڑائی خود خداوند تعالیٰ نے فرمادیا جیسا کہ ہم پہلے نقل کر آئے ہیں کہ ہمارے نزدیک وہی اکرم ہے جو ہم سے زیادہ ڈرتا ہے یعنی متقی ہے۔ جب اس حدیث میں قابلیت کی قید لگائی گئی تو حضرت امیر معاویہ کی روایت کردہ حدیث سے اس کا تطابق ہو جائے گا۔

اب ایک بہت بڑی بات یہ کہی جاتی ہے کہ حضور انور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

بہت دیکر یہ کیوں فرمایا اور کیوں ایسی پیشین گوئی کی جبکہ آپ نے صریح طور پر اپنا کوئی خلیفہ نامزد
 نہیں فرمایا اور حقیقت میں یہ شان نبوت کے خلاف بھی ہوتا اگر آپ اپنی زندگی میں خود کوئی
 خلیفہ نامزد فرما جاتے آپ سلطنت جمہوری کی بنیاد ڈالنا چاہتے تھے اور آپ نے اسی کو نظر رکھ کر
 کوئی خلیفہ نامزد نہیں فرمایا تاہم یہ سمجھنے کے قابل ہو کہ آپ کیوں قید لگا دی کہ قریش ہی میں
 خلیفہ ہو کرے جب تک اُن میں سلطنت اور دین اسلام قائم رکھنے کی قابلیت ہو اس کی وجہ یہ
 کہ آپ نے اس آئندہ خوف کا پہلے ہی سے اندازہ کر لیا تھا جو آپ کے وصل کے بعد ظہور میں آیا
 یعنی سعد بنی سقیفہ میں انصار کا بغیر سلاطین قریش جمع ہو جانا اور اپنے میں سے ایک خلیفہ
 نامزد کرنا یہ ایسا امر تھا کہ معدودے چند مسلمانوں میں سخت کشت خون ہوتا اور پھر اسلام پارہ
 پارہ ہو کے مدینہ ہی میں رہ جاتا اگر اس وقت حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت عمرؓ وغیرہ نہ ہوتے
 تو اسلام کی بربادی اور تنزل کی تاریخ تو گویا اُس دن سے شروع ہو جاتی حضور انورؐ نے یہ ہدایت
 نہیں کی تھی کہ خلیفہ قوم قریش ہی میں سے ہو گا بلکہ ایک پیشین گوئی تھی جیسا ہم اوپر لکھ آئے
 ہیں اگر یہ ہدایت ہوتی اور پیشین گوئی نہ ہوتی تو انصار جو حضور انورؐ کے صحابہ تھے جنہوں نے آپؐ
 اپنا دھن من تقرباً کی جیتا تھا جو آپ کے سچے فدائی تھے ضرور اس ہدایت پر عمل کرتے اور ہرگز اپنے
 میں سے خلیفہ نامزد کر نیکی جرأت نہ کرتے مگر نہیں جانتے تھے کہ آپ نے یہ پیشین گوئی کی تھی اور
 ممکن ہے کہ اس پیشین گوئی کے معنی کچھ اور ہوں یا یہ پیشین گوئی اُن کے قانون میں اس وقت
 پہنچی ہی ہوگی کیونکہ ہم انصار کو کس شے اور نافرمان بردار نہیں کہہ سکتے مگر جب حضرت عمر
 رضی اللہ عنہ نے صاف کہہ دیا کہ ہم تم سے زیادہ اشرف ہیں حسب انساب نہیں بلکہ قابلیت انتظام
 ملکی اور اسلام کے قائم رکھنے میں تو ہمیں خلیفہ ہونا چاہیئے اس پر انہوں نے پھر اپنے دعوے
 پر اصرار کیا اور کہا کہ اچھا ایک خلیفہ ہم مقرر کر لیتے ہیں ایک خلیفہ آپ اپنے میں سے مقرر کر لیں

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ ہونہیں سکتا کہ دو دو خلیفہ مقرر ہوں پر حضرت صدیق اکبرؓ فرما کر فاروق اعظمؓ کو منتخب کیا اور بیعت کیلئے مانعہ بڑھایا حضرت فاروق اعظمؓ نے کہا تجھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشرف المومنین فرمایا ہوا کیلئے تو مجھے زیادہ مستحق ہو پس بیعت کی گئی اور پھر انصار نے بھی جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فدائیانہ عشق رکھتے تھے اپنے نبی معصوم کا ارشاد سنتے ہی گروہین جہکادین اور حضرت صدیق اکبرؓ کے دست مبارک پر بیعت کی اس سے اتنا تو ظاہر ہو گیا کہ قریش میں جب تک سلطنت کی لیاقت اور دین اسلام رکھنے کی قابلیت ہو وہی خلیفہ بنا کرین اگر اسے زبردستی ہدایت ہی سمجھ لیں تو جب تک کی شرط سے ہمارا مدعا پورا حاصل ہوتا ہو آپ جانتے تھے کہ ایک زمانہ وہ آئیں گے کہ قریش میں کسی قسم کی قابلیت نہیں رہے گی اسوقت دوسری قوم کا خلیفہ ان پر ہوگا مبادا یہ اپنے کو اشرف خیال کر کے اسکی اطاعت نہ کریں اور مسلمانوں میں کشت و خون کریں تو اس دور اندیشیہ حکمت عملی کو کام فرما کر اپنے نہایت پر زور ہدایت فرمائی اور انتہا کر دی چنانچہ ارشاد ہوا ہو۔

”اسمعوا و اطیعوا وان استعمل علیکم عبد حبشی کان بآسئذینتد ما اقام فیکم“
کتاب اللہ تعالیٰ۔

ترجمہ یعنی حکم سنو اور اطاعت کرو گو تم پر ایک حبشی غلام ہے جس کا سر ہوتا ہو (یعنی اہل ذلیل ہو) حاکم بنایا ہو جب تک کہ وہ تم میں اس کی کتاب کو قائم رکھے۔

اس سے زیادہ صراحت اس سے زیادہ تہدید اس سے زیادہ زور اور کیا ہوگا تو اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ سلطان اعظم کی خلافت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بموجب کس قدر مسلم ثابت ہوئی۔ اب تو کسی کو بھی شک باقی نہ رہا ہوگا۔ یہ حدیث بخاری شریف کی ہو اور صحیح ہر سہین شہد کرنا خلاف عقل و دانائی ہو۔

اب میں ایک اور دلچسپ بحث کرتا ہوں اور ایک لطیف نکتہ لکھتا ہوں جو جبریت پسند طوائف کیلئے زیادہ پر مذاق ہو گا۔ حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں گورنر وغیرہ کو عامل کہا کرتے تھے اور بادشاہوں کو حاکم کے نام سے پکارتے تھے۔ خلفاء کے وقت میں لفظ خلیفہ اور امیر المؤمنین رائج ہو گیا۔ اور لفظ عامل اپنی اسی حالت پر قائم رہا۔ مشرقی سلطنت کے حکمران قیصر کہلاتے تھے۔ والی ایران کسے کے نام سے پکارے جاتے تھے۔ بنو امیہ بنو عباس بنو فاطمہ وغیرہ سب خلیفہ کہلاتے تھے۔ یہاں تک کہ شامان اندلس بھی خلیفہ کہلائے جاتے تھے۔ لفظ سلطان خلفائے عثمانی کیلئے مخصوص ہو گیا۔ اور پھر ان کی دیکھا دیکھی شاہ مر کو نے بھی اپنے کو سلطان کہا اور چھوٹی چھوٹی ریاستوں مثلاً زنجبار مسقط وغیرہ کے والیوں نے بھی اپنے کو سلطان بنالیا۔ حالانکہ حکمران ہندوستان اپنے کو ظل اللہ نائب رسول اللہ سب کچھ کہتے تھے مگر شہنشاہ کے لقب کے سوا انہوں نے کبھی کچھ اختیار نہیں کیا یہ لقب آل عثمان کیساتھ جو حکمران ترکی ہوئے اور اب انہیں سے عبدالحمید خان غازی ہیں خصوصیت رکھتا ہے یہ امر تاریخ سے بھی ثابت ہے اور ایسا مسلم جو جس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی طرف سے معلوم ہو گیا تھا کہ ایک زمانہ وہ آئیں گا کہ خلافت آل عثمان کی طرف منتقل ہو جائیگی اور وہ لوگ خلیفہ کیساتھ سلطان کا لقب بھی رکھیں گے اور انہیں سے دین اسلام کو فروغ ہو گا اور وہی مسکراہٹ پاک شہر مکہ معظمہ کے محافظ بنیں گے کافرستان میں ان ہی سے سلام کے کلمہ توحید لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گونج بلند ہوگی اور کلام اللہ کی خوب و صوم و دام سے تلقین کی جائے گی۔ جہاں تین خداؤں کی پرستش ہوتی تھی وہاں صرف ایک الہ کی پکھی خدا کے آگے سجدہ کیا جائے گا تو ایسا سلطان جس کے عہد میں اسلام کا اس قدر بول بالا ہو۔ اور اسلام کو یہ مشرق ہو وہ گویا اللہ کا سلطان ہو یعنی اللہ کی طرف اسے نسبت ہو اور خدا کو احکام

اُسی کے ذریعہ سے جاری ہوتے ہیں۔ اسلئے آپ نے یہ فرمایا ہر جو ہم ترمذی شریف میں سے نقل کرتے ہیں۔

”مَنْ أَهَانَ سُلْطَانَ اللَّهِ فِي الْأَرْضِ أَهَانَ اللَّهُ تَعَالَى“

مترجمہ یہی جس نے اللہ کے سلطان کی امانت کی تو اس کی خود اللہ تعالیٰ امانت کرے گا۔

ہمارے عالم مورخ ابن خلدون بھی ہماری رائے سے اتفاق کرتے ہیں اور وہ بھی خلافت کے لئے قریش کی قید نہیں لگاتے گو میں اچھی طرح ثابت تو کر چکا ہوں کہ خلافت میں قریش کی قید نہایت لغو اور بھل ہے اور بار بار اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ پھر بھی اگر چند علماء کے اقوال پیش ہوں گے تو دعویٰ اور ثبوت دعویٰ کو اور بھی زیادہ تقویت ہوگی۔ اسلئے میں مناسب جانتا ہوں کہ کچھ اقوال اور بھی نقل کر دوں۔ حسین پھر کچھ چون و چرا ہی کی گنجائش نہیں ابن خلدون لکھتے ہیں۔

”امام یا خلیفہ کے لئے قریشی ہونا ضروری نہیں ہر بہت سنی فضلہ لاکہ بھی یہی رائے ہو۔ جسٹس مسٹر علی اپنی کتاب اسپرٹ آف اسلام میں یہ لکھتے ہیں۔ ”جب شہنشاہ اکبر نے خطاب امام العادل اختیار کیا تو علماء نے اس کے جواز کا فتویٰ دیدیا تھا“ (صفحہ ۴۷) ترکی کے کروہوں مسلمان آنکھیں بند کر کے کسی کو خلیفہ نہیں بنا لیتے۔ انھوں نے اگر دیکھا کہ ہمارے خلیفہ میں دین اسلام کے قائم رکھنے کی قدرت نہیں ہر وہ فوراً اس سے بغاوت کرتے ہیں۔ اور شیخ الاسلام کے فتویٰ سے اسے تخت و تار دیتے ہیں جبکہ نظیر سلطان عبدالعزیز موجود ہیں۔ پھر مسٹر امیر علی اپنی کتاب اسپرٹ آف اسلام صفحہ ۷۷ کے حاشیے میں لکھتے ہیں۔

”جس طرح سابق میں نبی امیہ بنو عباس اور بنی فاطمہ نے ایک ہی وقت میں“

”گریڈا بغداد قاہرہ میں سلطنت کی۔ سیطرح طہران اور قسطنطنیہ میں چار یون۔“
 ”اور عثمانیوں نے اور حکمران مراکو نے مغربی افریقہ میں مرتبہ خلافت قائم رکھا۔“
 ”مگر پھر بھی یہ ضرور کہا جائیگا کہ سلطان ترکی جو حافظہ حرمین شریفین میں اور جن کے
 پاس نشان خلافت یعنی پاک جھنڈا۔ تلوار اور بنی کریم سے اللہ علیہ وسلم کا علمہ۔“
 ”مبارک ہے انہیں خطاب خلافت بدرجہ اولیٰ زریا اور موزون ہے۔“

اب ہم اسکی بابت دائرۃ المعارف میں سے نقل کرتے ہیں اور پھر بطور خود ایک مختصر بحث کر کے
 اس رسالہ کو ختم کریں گے۔

چنانچہ پطرس بستانلی مصنف محیط المحيط وغیرہ لکھتا ہے۔ ”سب سے پہلے جنہیں یہ لقب دیا
 گیا وہ عمر بن الخطاب ہیں وجہ یہ ہوئی کہ اس سے پہلے جب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بیعت
 کی گئی تھی تو انہیں خلیفہ رسول اللہ کہہ کر پکارا جاتا تھا اور پھر جب ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ
 عنہ سے بیعت ہوئی تو انہیں خلیفہ خلیفہ رسول اللہ کے لقب سے پکارا جانے لگا چونکہ اس میں امتیاز
 اور طولیت تھی اسلئے خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب انہیں لقب مذکور اہل پکارا گیا تو فوراً
 لگے کہ یہ کچھ موزون نہیں معلوم ہوتا کیونکہ جب میرے بعد کوئی خلیفہ ہوگا تو اسے خلیفہ خلیفہ
 الرسول اللہ کہہ کر پکارینگے چونکہ تم مونین ہو اور میں تمہارا امیر ہوں اسلئے مجھے امیر المؤمنین کے
 نام سے پکارا کرو۔ اُس وقت سے امیر المؤمنین کی ابتدا ہوئی اور ایک ضعیف روایت یہ کہ ایک
 صحابی نے حضرت فاروق اعظم کو امیر المؤمنین کہہ کر پکارا جسے اور وں نے پسند کیا اور پھر
 یہی سب کہنے لگے۔“

اسکے بعد بنی امیہ اس لقب سے پکارے جاتے تھے اور کسی دوسرے کو اس لقب سے

دائرۃ المعارف سے انکو پڑھا ہوا ہے کہ اگر سبب طول ہو جائیکے ترجمہ یہ کردیا ہو عربی عبارت کے بالکل مطابق جو اصل عبارت
 نقل کرنی ضروری نہیں چاہی ۱۲

ملقب نہ کیا جاتا تھا۔ علوی بنی العباس غیرہ دوسرے گروہ بنی امیہ کے زمانے میں اپنے امیر کو صرف امیر کے نام سے پکارتے تھے اور امیر المؤمنین سے کوئی لقب نہ کیا جاتا تھا۔ پھر اس کے بعد یلقب خاص ان ہی خلفاء کے لئے ہو گیا جو حجاز و شام و عراق پر جو دیا عرب اور مرکز دولت تھے والی ہوتے تھے۔ پھر اسکے بعد اندلس میں بنی امیہ نے اس لقب کو اختیار کیا اور نیز ممالک مغرب میں یوسف بن تاشقین اور اسکے جانشینوں نے بھی اپنے کو امیر المؤمنین کہا لیکن اب اس زمانہ میں وہ خاص سلاطین آل عثمان سے مختص ہو اور اس کا کسی اور پر طلاق نہیں کیا جاتا (دائرة المعارف جلد چہام صفحہ ۴۱۳)

اسکے بعد فاضل مصنف خلافت کے بارے میں یوں قلم فرمائی کرتا ہے ”لغت میں خلافت کے معنی اہل بیت اور نیابت عن الغیہ کے ہیں۔ خلافت امامت کا ہم معنی ہیں اور خلیفہ دوسرا نام امام کا ہے۔ خلافت کی تین تعریفیں کی گئی ہیں اور وہ یہ ہیں۔ (۱) دھجی حمل الجیہ علی مقتضی النظر الشرعی فی مصالحہم الاخریۃ والدنیویۃ (۲) خلافت عن صاحب الشرع فی مصالحہم الاخریۃ والدنیویۃ (۳) خلافت عن صاحب الشرع فی حراستہ الدین سیاسۃ النبیاء خلیفہ کو خلیفہ اسلئے کہتے ہیں کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانشینی کرتا ہو۔ اس کی امت میں خلیفہ بغیر شخصی تخصیص کے اور نیز خلیفہ رسول اللہ اضافت کیساتھ۔ غرض دونوں طور سے برتا جاتا ہو لیکن خلیفہ اللہ کہنے میں اختلاف ہو۔

امام اسے اسلئے کہتے ہیں کہ وہ گویا نماز کے امام سے مشابہت رکھتا ہو جس طرح اسکی اقتدا کیجاتی ہے اسی طرح اسکی بھی اقتدا کیجاتی ہو۔ خلافت کی وہ شروط جنہیں کسی کو اختلاف نہیں چاہیں۔ (۱) علم (۲) عدالت (۳) کفایت (۴) سلامت حواس۔ اور ایک پانچویں شرط اور ہے جس میں اختلاف ہو اور وہ قریشی النسب ہونا ہو۔

بہت سے محققین نے اسکی نفی کی رائے دی ہے اور اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث اسمعوا واطیعوا وان ولی علیکم عبد جنتہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول لو کان سالہ مولیٰ حذیفۃ حیال ولیۃ سے ہتہشاہد کیا ہے۔ قاضی ابوبکر باقلانی ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے قریشی ہونیکے شرط کی نفی کی ہے کیونکہ قبیلہ قریش بالکل ضعیف وضمحل ہو گیا ہے اور اس میں اس قدر قدرت و طاقت نہیں کہ خلافت کے بار کو قائم کر سکے ایک اور دلیل قریشی ہونیکے نفی میں یہ بیان کی گئی ہے کہ یہ شرط محض دفع تنزع کیلئے لگائی گئی تھی نہ اور کسی غرض کیلئے۔ پس جب کہ سبب باقی نہ رہا تو سبب بھی نہ رہا۔

امام۔ امام سیوق ہوگا جب کہ لوگوں نے اس سے بیعت کی ہو یا اس کے پیشتر کے امام نے جو مباہلتے بنا یا گیا ہو اسے خلیفہ بنایا ہو جیسے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا تھا اور امامت کی عقد خلیفہ بنانیسے یا علماء اور اہل الراۃ و تدبیر کی ایک جماعت کی بیعت۔ بلکہ بعض لوگوں کے پاس تو ایک ہی مشہور عالم کی بیعت جو اہل الرائے ہو اور جہان کہ امام بنایا گیا ہو وہاں موجود ہو امامت صحیح ہو سکتی ہے معتزلہ کے پاس کم سے کم پانچ شخص بیعت کرنے چاہئین اور بعض حنفیہ کے پاس ایک جماعت ایک جماعت کی مباہلتے صحیح ہوتی ہے بغیر اس شرط کے کہ اس میں ایک عدد مخصوص ہو

اور جب امام میں علم عدالت کی شرطیں مفقود ہوں اور ساتھ ہی فتنہ کا خوف ہو چکے برداشت کی طاقت نہیں ہو سکتی تو باوجود فقدان شروط بالا کے اسکی امامت درست ہوگی اور خلیفہ کی اطاعت خواہ وہ ظالم ہو یا جابر جب تک کہ وہ شرع کی مخالفت نہ کرے

واجب ہے

شرح مقاصد میں لکھا ہے کہ امامت کی عقد نخل ہو سکتی ہے جبکہ امام مرتد ہو جائے یا مجنون

ہو جائے یا قید ہو جائے اور پھر اسکی خلاصی کی امید نہو یا ایسی بیماری میں مبتلا ہو جس سے علم و بصارت جاتی رہے اور گوگایا بہر ہو جائے خود امام اپنے آپ کو امامت سے علو کر سکتا ہو جب کہ اسکا عجز ظاہر ہو اور جب عجز ظاہر نہ ہو تو اس میں اختلاف ہے۔ اور اس طرح اس امر میں بھی اختلاف ہو کہ آیا وہ اپنے فاسق ہونے کی وجہ سے بھی معزول کیا جاسکتا ہو یا نہیں اکثر کا مذہب یہی ہے کہ معزول نہیں ہو سکتا۔

خلافت خلفائے راشدین کے بعد امویہ میں گئی اور اسکے بعد عباسیہ میں اور عباسیہ کی بغداد میں تباہی کے بعد مصر کے خلفائے اُن ہی میں ایک شخص کو خلیفہ بنایا جی اولاد میں بعد ازاں خلافت تھی۔ آخر تیرہویں صدی میں خلافت خاندان عثمان کے ہاتھ میں آئی جو اب تک اسکا بار اٹھائے ہوئے ہیں۔ (دائرة المعارف جلد ہفتم صفحہ ۴۲۸)

سلطان ترکی کی خلافت

جس نے پچھلے صفحوں کو غور سے پڑھا ہو وہ آسانی سے یہ نتیجہ نکال سکتا ہو کہ خلیفہ ہونیکے لئے قوم قریش کی ضرورت نہیں ہو۔ بشرخص خواہ وہ کسی قوم کا کیوں نہ ہو خلیفہ ہو سکتا ہو۔ بشرطیکہ اُس میں خلیفہ ہونیکے صفتیں پائی جاتی ہوں۔ بڑی بحث جو سالہا سال سے چھڑ رہی ہو سلطان ترکی کی خلافت کی نسبت ہو۔ اس میں یورپی مصنفوں کو سخت مغالطہ ہوا اور بعض ہندوستانی مضمون نگاروں اور مصنفوں نے بھی انگریزوں کی دیکھا دیکھی اس میں اختلاف رائے کیا ہو کہ سلطان ترکی اسلئے کہ وہ قوم قریش سے نہیں ہیں خلیفہ نہیں ہو سکتے سب سے پہلے یہ بات ضرور مہیور مصنف لائف آف محمد (سیرت محمدیہ) نے نکالی کہ بخاری کی حدیث کی رو سے خلیفہ قوم قریش میں ہونا چاہیئے۔ یورپی مصنفوں نے بغیر مزید تحقیقات کے

اسے تسلیم کر لیا۔ اور اس بحث میں بعد ازاں بہت سے مضامین اخباروں میں نکلے اور بہت سے رسالے شائع ہوئے لیکن اصل مقصد کی حد تک کوئی نہیں پہنچا اور سب بیوقوف بھیڑوں کی طرح ایک ہی گڑھے میں گر پڑے۔ اسلام کی تاریخ بتاتی ہے کہ مسلمانوں نے ہمیشہ اپنے ہر بادشاہ کو خلیفہ سے تعبیر کیا خواہ وہ خلیفہ بنو امیہ میں سے ہو یا بنو عباس میں سے یا بنی فاطمہ میں سے ہو خواہ ہلاکو خان مسلمان اپنے بادشاہ کو ظل اللہ اور نائب رسول اللہ سمجھتے رہے اور ان ہی معزز القاب سے انہیں پکارتے رہے۔ مگر ہمیشہ سب سے زیادہ عزت اُس بادشاہ وقت کی لگی جسکی نگرانی میں مکہ معظمہ اور مدینہ نبویہ ان تک کہ دہلی کے شہنشاہ خلفائے بنو عباس کو جب تک خلافت بغداد و قایم رہی اپنا خلیفہ تسلیم کرتے رہے۔ سلطان محمود غزنوی نے بغداد سے حکم لیکے ہندوستان پر حملہ کیا تھا اور اُسے فخر تھا کہ مجھے امیر المؤمنین کا لقب بغداد سے ملا۔ دہلی میں جب تک پٹھانوں کی بادشاہت رہی خلافت بغداد کو کل بادشاہ تسلیم کرتے رہے اور جب تک خلیفہ بغداد کی طرف سے کوئی فرمان قبولیت نہ آجاتا تھا نیا بادشاہ تخت سلطنت پر بیٹھتا تھا۔ محض ایک اخلاقی عزت تھی جو ہندوستان اور غزنی کے سلاطین خلفائے بغداد کی کرتے تھے۔ کبھی کسی جنگی کارروائی میں مشورہ کرنے کی سلاطین کو خلفائے بغداد سے کچھ ضرورت نہ ہوتی تھی اور نہ معاملات سیاسی سے چندان کچھ تعلق تھا صرف ایک مذہبی تعظیم تھی جو ہندوستانی شہنشاہ بنو عباسی خلفا کی کرتے تھے۔

سلطان المعظم سلطان عبد الحمید خان غازی کو بھی اسی صورت ہندوستانی مسلمان خلیفہ مانتے ہیں۔ مگر اپنے اخلاقی۔ قومی اور ملکی معاملات میں اُن سے کچھ تعلق نہیں رکھتے جس طرح کہ اُن کے بادشاہوں نے بغدادی خلفائے کچھ تعلق نہیں رکھا تھا۔ علاوہ اسلامی تعلق کے تعلق ہندوستانی مسلمانوں کو سلطان المعظم سے یہ کہ وہ خادمِ حرمین ہیں۔ یہ روحانی تعلق انگریزی حکومت کیلئے کچھ بھی ضرر رسان نہیں ہے اور نہ اس روحانی تعلق کو دنیا کی کوئی بڑی قوت

شا سکتی ہے۔

سلطان ترکی کو خلیفہ المسلمین تسلیم کرنے میں کوئی بھی اعتراض نہیں ہو سکتا جبکہ تسلیم کرنا محض حسن ذاتی ہے جو صدہا سال سے چلا آتا ہے۔ بعض نا فہم مصنفوں نے ہندی گورنمنٹ کو سخت مغالطہ میں ڈال دیا ہے۔ اور وہ مغالطہ یہ ہے کہ جب ہندوستان کے مسلمان سلطان ترکی کو اپنا خلیفہ مان لیں گے تو ایک عظیم جنگ میں خواہ انگلستان کے خلاف ہو یا انہوں نے خلیفہ کا ساتھ دینے کیلئے اٹھ کھڑے ہوں گے۔ یہ خیال محض مضحکہ خیز ہے اور عقل کی نگاہ میں اسکی کوئی بھی وقعت نہیں ہے۔ ہندی مسلمان معاملات سیاسی میں سلطان ترکی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ سلطان المغضوم دیوانی اور فوجداری کے قوانین ان پر کوئی اثر نہیں رکھتے نہ شریعت نے انہیں مجبور کیا ہے کہ ایسا کریں وہ البرٹ ویلس شہنشاہ ہند کی وفادار رعایا ہیں ایسی بزرگ شہنشاہ کی قانونی سلطنت میں انہیں ملکی اور مذہبی حقوق حاصل ہیں۔ اور وہ اپنی ہر مذہبی تقریب کو بہت آزادی سے انجام دیتے ہیں۔ ان کے مذہب نے انہیں تعلیم کر دی ہے کہ جس ملک میں وہ امن سے زندگی بسر کر رہے ہوں وہاں ہرگز فساد نہ کریں اور جہاں انکو یہ مذہبی آزادی میسر ہو کوئی بات حاکم وقت کی مرضی کے خلاف نہ کریں۔

ہاں اس اسلامی رشتہ کو جو قدرت نے تمام مسلمانوں کے دہیں پیدا کر دیا ہے کوئی نہیں توڑ سکتا۔ ایک مسلمان بشرطیکہ وہ مسلمان بھی ہو کبھی مسلمانوں کی بربادی سے خوش نہیں ہوگا بلکہ شب و روز انکی خیر منایا کرے گا اور دعا کرے گا کہ خداوند تعالیٰ انہیں سرسبز عطا کرے۔ اسی طرح ہندوستان کے مسلمان سلطان ترکی اور ترکوں کی خیر منایا کرتے ہیں اور بحیثیت ایک مسلمان ہونیکے یہ چاہتے ہیں کہ مثل یورپی دولتوں کے ترک بھی ترقی کریں اور ان کے تمدن کا پائے کسی سے نیچا نہ رہے۔ بعض نا فہم انگریزی مصنفوں نے ان خیالات کو باغیانہ خیالات

قرار دیتے ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ اس قدرتی رشتہ کو کاٹ ڈالیں جو ترکوں اور ہندی مسلمانوں میں قائم ہے مگر یہ بات ہونی عقل اور علم دونوں کے خلاف ہو گی۔ ان اگر ہندوستان کے مسلمان عیسائی ہو جائیں یا کل ترک نصاریٰ ہو جائیں تو یہ بات ممکن ہو لیکن ایسا ہونا خلاف قانون قدرت ہو اور اس امر کا خیال کرنا محض جنون ہو۔

گورنمنٹ انگریزی آج دنیا میں سب سے بڑی اسلامی حکومت ہو اگرچہ اس کا مذہب انبیاءِ رحایا سے غیر ہو۔ لیکن وہ ہندوؤں میں ہندو اور مسلمانوں میں مسلمان ہو گئی ہے۔ دونوں کو اجازت دیدی ہو کہ اپنے اپنے مذہب کی کل چھوٹی بڑی رسمیں آزادی انجام دیں۔ اور خود بھی ان عظیم مذہبی تقریبات میں شریک ہوتی ہو جو یہ دونوں عظیم گروہ کرتے ہیں۔ اس میں ہرگز کلام نہیں کہ مسلمانان ہند انگریزی حکومت کے ہمیشہ منوں بیٹے تھے۔ کیونکہ اس حکومت نے ان پر بہت بہت احسان کیے ہیں اور سب سے بڑا احسان یہ کیا ہو کہ انہیں بالکل بے بادی سے بچا دیا۔ اگر ہندوستان میں انگریز نہ آتے تو مسلمان کیا تو آپس میں لڑ لڑ کے مرجاتے اور کیا مر رہتے انہیں کھا جاتے۔ لاف ایک کے ساتھ اعرامین دہلی فتح کر نیسے پہلے یہاں مر رہتوں کی حکومت تھی۔ انھوں نے بادشاہ کا وہ ناک میں لگا کر رکھا تھا کہ بیچارے نے مجبور ہو کر انگریزوں کو بلایا۔ جب کہیں مسلمانوں کو پناہ ملی ورنہ مر رہتے تو کہا ہی گئے ہوتے۔ مر رہتوں نے لال قلعہ کی حوسرے میں گھسکے بیگمیں کی سخت بیعتی کی تھی اور قلعہ کو اس قدر لوٹا تھا کہ زمین کپڑے تک نہ چھوڑے تھے۔ اگر انگریز نہ آتے اور مسلمانوں کی حفاظت نہ کرتے تو کون نادان سے نادان بھی یہ امید کر سکتا ہو کہ ایک مسلمان بھی اچھی حالت میں ہندوستان میں دکھائی دیتا۔

جب برٹش حکومت کی یہ تمام کمیتیں ہمیں حاصل ہیں جب ہم جانوروں کی آدمی بن گئے جب ہم میں علم کی روز افزون ترقی ہو جب ہم میں تدریج قومیت آتی جاتی ہے جب ہمارا پناہ

تعلیمی حیثیت سے اپنے اور بھائی مسلمانوں سے جو مالک غیر میں رہتے ہیں روز بروز بڑھتا جاتا ہو پھر کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ ہم اپنی محنت گورنمنٹ سے بغاوت کریں۔ این خیال ست و محال ست وجہوں۔

سلطان اعظم کو ہم اپنا روحانی اور اخلاقی خلیفہ مانتے ہیں۔ اسکے سوا اسکے سیاسی ملکی اور جنگی معاملات سے کچھ تعلق نہیں ہو۔ مان جہتیت اسکے کہ وہ مسلمان ہو اور خادمِ حرمین ہے ہم اسکا مذہبی اعزاز بھی کرتے ہیں اور یہ بھی چاہتے ہیں کہ اسے کوئی گزند نہ پہنچے اور وہ اور اس کی سلطنت پر مصیبت پہنچے رہے۔ یہ سمجھنے کی بات ہو جب روس اور ترکوں کی جنگ ہوئی تھی اور ترک شکست یاب ہو قسطنطنیہ کی دیواروں میں محدود ہو گئے تھے کس ہندی مسلمان نے یہاں فساد کیا اور ایسی حالت میں کہ لبوں پر دم اگیا تھا کوئی ہندوستانی شہر میں بغاوت کے آثار پائے گئے اس طرح ۱۸۹۵ء میں مسئلہ آرمینیا چھڑنے پر سوائے اسکے کہ مسلمانوں نے جلسے کر کے گورنمنٹ انگلستان سے امداد دینے کی درخواست کی کون سی بے عنوانی اُن سے خلافت گورنمنٹ سرزد ہوئی اور کجمان بغاوت کے آثار پائے گئے۔ گورنمنٹ نے دیکھ لیا کہ خلیفہ تسلیم کرنیکی حالت میں ہندوستانی مسلمان اگر کچھ وقت مصیبت ترکوں کو امداد دے سکتے ہیں تو صرف اس قدر جو انہوں نے جنگ روم و روس اور معاملہ آرمینیا میں دی تھی جب یہ کل باتیں آئینہ ہوتی چلی جاتی ہیں پھر نہایت افسوس ہو کہ بعض مصنفوں نے گورنمنٹ کو اس مسئلہ خلافت میں کیوں دھوکا دے رکھا ہو اور کیا وجہ ہو جو ایمان داری سے اپنی رائے نہیں دیکھتی۔ ہمنے یہ رسالہ محض گورنمنٹ انڈیا کے شکوک و شبہات کیلئے لکھا ہو اور ہمیں یہ ہے کہ گورنمنٹ اپنی بعض غلط فہمیوں کی خلافت کے متعلق ضرور اصلاح کریں

ہندی مسلمان

انگریزی حکومت کے قائم ہونے کے بعد ہندوستان میں بعض ایسے قدرتی واقعات کا ظہور ہوا جس سے گورنمنٹ ہند مسلمانوں سے چوکئی ہو گئی اور سب سے زیادہ ڈاکٹر ہنٹر صاحب نے ایک رسالہ انڈین مسلمان لکھ کے گورنمنٹ کو اور بھی ڈرا دیا۔ حالانکہ ہنٹر صاحب کے بچاؤ خیالات کی بعد ازاں تردید کر دی گئی اور سمجھا دیا گیا کہ جو کچھ اس فاضل مورخ نے لکھا ہے وہ اس کے ذاتی خیالات اور ایجادات ہیں تو بھی گورنمنٹ ہند جو کئی ہزار میل سے آکے یہاں حکومت کرتی ہے پوری مطمئن نہیں ہوئی۔ اور جب کبھی کوئی معمولی سی بھی بات ہوئی اس سے اس طرح بچ پڑتی ہے گویا ایک خطرہ عظیم اُس سے درپیش ہے حالانکہ اُس بات کی بعد ازاں پوری قلعی کھل جاتی ہے لیکن ایک وہم سا گورنمنٹ ہند کو ضرور ہو جاتا ہے مثلاً ترکی ٹوپوں کا ایک معاملہ پیش ہے اگرچہ گورنمنٹ ہند نے براہِ راست کوئی باز پرس سمین نہیں کی کہ ترکی ٹوپیاں کیوں پہنی جاتی ہیں۔ لیکن بعض انگریزی حکام کے ناک بہون چڑھانیسے غریب مسلمان یہ سمجھے کہ گورنمنٹ ترکی ٹوپی سے ناراض ہوتی ہے اور چاہتی ہے کہ کوئی مسلمان ترکی ٹوپی نہ پہنے۔ گورنمنٹ ہند برسرِ یہی کم طرف اور بزدل نہیں ہے۔ وہ معاملات سیاسی ہیں اول درجہ کی دورانِ اندیش تو ضرور ہے لیکن ایسی ہیسی خیل باتوں کی طرف کبھی خیال نہیں کرتی اور اس قسم کی ترکی ٹوپوں کی اگر تمام ہندوستان بھی پہننے لگے اسے کبھی پروا نہ ہوگی۔

گورنمنٹ ہند کے ولیمین جب مسلمانوں کی طرف سے کچھ وہم پیدا ہو گیا ہے اگرچہ وہ ہم مختلف آزمائشوں اور امتدادِ زمانہ سے متا جاتا ہے مسلمان بھی پھوک پھوک کے قدم رکھنے لگے ہیں اور ادنیٰ ادنیٰ باتوں کا انہیں بھی وہ مبالغہ آمیز خیال ہونے لگا ہے۔ جس کا سر نہ پیر بعض مسلمان پرچن نے یہ شائع کر دیا کہ گورنمنٹ ہند پوشیدہ تحقیقات کر رہی ہے کہ ترکی ٹوپی کی ابتدا کیوں کر ہوئی اور کیا وجہ ہے کہ اس ٹوپی کا رواج ہندوستان میں زیادہ ہوتا جاتا ہے

یہ خیالات بہت ہی کم وقتی کے ہیں اور گورنمنٹ کبھی ایسی بزدلانہ کارروائی نہیں کرنے کی اس
 دلیل اور خفیف معاملہ میں تحقیقات کی کیا ضرورت ہو جبکہ اس ٹوپی کے بانی مبانی گورنمنٹ کے
 اول درجہ کے خیر خواہ سرسید احمد خان کے سی۔ ایس۔ آئی۔ ایل۔ ایل ڈی تھے۔ علیگڑھ ہی سے
 ان ٹوپیوں کا رواج پڑا۔ اور وہیں سے چشمہ اُبلا۔ وہ خود بھی ترکی ٹوپی پہنتے تھے اور مردم تک
 انہوں نے ترکی ٹوپی نہیں اتاری۔ گورنمنٹ اس بیہودہ خیال میں کیوں اپنا وقت ضائع کرنے
 لگی۔ جبکہ ہندوستان کے رائج الاعتقاد مسلمان اور مذہبی گروہ اس ٹوپی کو سخت حقارت سے دیکھتا
 ہو۔ ترکی ٹوپی پہنی اور مولویوں کی نظر میں نیچری۔ بدوین اور کرسٹیان ہو گئے۔ مجال ہو کوئی شخص
 کسی مسجد میں ترکی ٹوپی پہننے چلا جائے۔ اور وہاں سے بغیر کفر و ارتداد کا تحفہ لینے واپس چلا آئے
 جب ترکی ٹوپی سے مسلمانوں کو یہ نفرت ہو پہر گورنمنٹ کو کیا ضرورت پڑی ہو کہ وہ ایسے بے بنیاد
 خیالات کر کے اپنا قیمتی وقت اور روپیہ برباد کر لگی۔ کوئی حاکم انگریز خواہ وہ ترکی ٹوپی سے کیسا
 مستعصب ہو پہننے والے کی نسبت وہ رائے قائم نہیں کر سکتا جو ایک مولوی اور راسخ الاعتقاد
 مسلمان اس شخص پر جلدی سے ایک مکروہ رائے قائم کر دے گا اور اسے کرسٹیان سے تعبیر
 کرے گا۔

سوائے چند تعلیم یافتہ مسلمانوں کے کوئی مسلمان ترکی ٹوپی نہیں پہنتا اور وہ پسند نہیں
 کرتا کہ اسکے بچے ترکی ٹوپی پہنا کریں۔ اگرچہ ہر مسلمان سمجھتا ہو کہ ترکی ٹوپی ترکوں کا پہناؤ ہے
 اور ترک مسلمان میں۔ لیکن پہر بھی وہ اس سبب تعصب اور نفرت کرتا ہو کہ علیگڑھ سے نکلی ہو
 اور سرسید مرحوم نے نکالی ہو چونکہ وہ مسلمان نہیں تھے اور انہوں دین اسلام میں رخنہ اندازی کی
 اسلئے اس ٹوپی کو کبھی نہ پہننا چاہیے۔ جو شخص یہ ٹوپی پہنتا ہو خواہ اسے سید مرحوم سے کوئی مذہبی
 تعلق بھی ہو جس کی کہ وہ مرحوم سید کو جانتا بھی ہو لیکن کم لایگا سید کا مسمیٰ اور اگر اسے ترکی ٹوپی

کے ساتھ کوٹ پتلون پہن لیا بس پھر کیا تھا وہ بچا چھٹا بچری بن گیا۔

نہایت افسوس سے دیکھا جاتا ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کا کوئی قومی لباس نہیں ہے۔ ہندوستان تو ہندوستان ایک شہر میں یکساں لباس نہیں ہے۔ شہر کو بھی جانے دو ایک محلہ میں یکساں لباس نظر نہیں آئے گا۔ انگریزوں کا جو خاص ہلی اور لکھنؤ والوں کی مہذب پوشش ہے پنجاب میں حقارت سے دیکھا جاتا ہے اور پنجاب والے اعتراض کرتے ہیں کہ انگریزی خانہ سالانہ یہ لباس پہنا کرتے ہیں۔ صرف ایک پاجامہ کی تراش میں بہت بڑا اختلاف ہے۔ کوئی نیچی موری کا سیدھی تراش کا پہنتا ہے کوئی ٹخنوں سے اونچا پہنتا اور ٹخنوں کے پاس مٹن لگاتا ہے۔ کوئی کلیونڈ پہنتا ہے کوئی ڈھیلا غریبہ پہنتا ہے۔ صرف ایک پاجامہ میں جب یہ اختلاف ہے تو اور لباس میں کتنا ہونا چاہیئے اور پھر تعجب کی بات یہ ہے کہ ایک قسم کی تراش کے پینے والے کو دوسری تراش والا حقارت سے دیکھتا ہے۔

جب لباس میں اس بلا کا اختلاف قومی ہے اور کل مسلمان مثل بے سری بھیر بونج اور دھڑ بھٹکتے پھرتے ہیں۔ پھر تعجب ہے کہ ترکی ٹوپوں پر جو خاص نہ کسی فریق کی پوشش میں اور نہ مسلمانوں کے کسی خاص گروہ کا لباس ہے کیونکہ اعتراض کیا جاتا ہے۔ ہماری گورنمنٹ اعلیٰ درجہ کی مدیر اور آزادی پسند گورنمنٹ ہے۔ وہ جب مذہب میں دست اندازی کرنا پسند نہیں کرتی۔ اسلامی یا مسلمانی معاشرت میں کیونکہ دست اندازی کرنے لگی۔ اور اگر یہ کہیں جو شخص ترکی ٹوپی پہنتا ہے وہ ترکوں کا ہمدرد بن جاتا ہے تو یہ خیال محض لغو اور بیہودہ ہے۔ کاش مسلمانوں میں یہ روح ہوتی کہ محض ایک کمر لباس سے ان میں قومی محسوسات اور ہمدردی پیدا ہو جاتی تو آج کو ان کی یہ نوبت ہی کیونکہ ہوتی۔ لباس پہنکے اثر پذیر ہونا تو کیسا دل صاف مشفق کی لگاتار نصیحتیں تو ان پر مطلق اثر نہیں کرتیں یہاں تک کہ قدرت کی ناقابل برداشت سزائیں بھی ان کی بے عنوائی کو نہیں بدل سکتیں۔ اور اگر یہ

بھی تسلیم کر لیا جائے کہ نہیں لباس کا اثر مسلمانوں پر ضرور ہوتا ہے تو ہمیں بہ نسبت ترکی ٹوپوں کے انگریزی لباس پہننے والے زیادہ ملین گے۔ اُن پر انگریزی حکومت کا حسبِ لحاظ اثر ہوتا حالانکہ یہی کوٹ پتلون والے کانگریس کے جلسوں میں اسٹیج پر انگریزی انتظام کے نقائص بیان کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ انکے مقابلہ میں مشرقی لباس والیکو بھی انگریزی انتظام پر نکتہ چینی کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ لباس قومی خصوصیات پر ایک گونہ ضرور اثر کرتا ہے لیکن اسوقت جب کل قوم کا لباس کیساں ہو جائے اور اسکی یکسانی میں کبھی فرق نہ پڑے مسلمان اگر ایک ہی لباس اختیار کر لیں تو اُن کے قومی اتحاد میں بہت مدوٹے لیکن ہندوستان کی مختلف فرزدوم اور خٹلا محسوسات معاشرت اور تمدن کبھی ایسا نہیں ہونے دیگا۔ ہاں اگر کوئی اُن کا سرو دھرا بن جائے وہ انکو ایک لباس پہنوادے تو ممکن ہے مگر ایسا ممکن ہونا محال عقل ہی بلکہ ناممکن کی حد تک پہنچا ہوا ہے۔

بعض بزدل مسلمان کچھ ایسے از خود رفتہ ہو گئے ہیں کہ ہلال اور تارہ کو بغاوت کی نشانی قرار دیتے ہیں۔ اسلئے کہ یہ ترکوں کا نشان ہے مگر وہ نہیں جانتے کہ اُن کے ان فیل خیالات پر اعلیٰ درجہ کے انگریزی حکام مضحکہ اڑاتے ہیں۔ ہلال اور تارے کا استعمال صرف ترکوں ہی میں نہیں ہے بلکہ بہت سے انگریزوں میں بھی ہے۔ ہننے اکثر لندن کی نبی ہوئی چیزوں کو دیکھا ہے کہ پھر ہلال اور تارہ بنا ہوا ہوتا ہے۔ اور بہت سی کمپنیوں نے اس نشان کو اپنا ٹریڈ مارک بنایا ہے۔ یہ ساری باتیں مضحکہ خیز ہیں اور باغیانہ خیالات کو ان باتوں سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ ہماری عقلیں بروہ سلب ہوتی جاتی ہیں اور جنسلاقی جرأت کا نام و نشان اتنا در زمانہ سے ہم میں مٹا جاتا ہے یہ یہودہ طریقے کہ ہم ترکی ٹوپی پہننا چھوڑ دیں یا ہلال و تارے کا استعمال نہ کریں یا سلطان المعظم کو خلیفہ نہ مانیں کبھی ہماری وفاداری اور خیر خواہی کو انگریزی حکومت کی نگاہ میں نہیں بڑھا سکتے۔

وفا دار رعایا کے فرائض یہ ہیں کہ ہر مشکل موقع پر گورنمنٹ کی امداد کریں۔ اُسکے لیے اپنا خون بہا دیں اپنا روپیہ اُسپر سے اگر اُسے ضرورت ہو تصدق کر دیں۔ انتظام میں اُسکی امداد کریں اور ہر موقع پر جان نثاری کیلئے حاضر رہیں۔ یہ باتیں ہیں جو ایک وفا دار رعایا کے لیے زیبائیں۔ نہ کہ گورنمنٹ کو کسی حالت میں امداد تو ایک پیسہ کی ندین۔ نہ اُسکے دشمن کے مقابلہ میں اپنا خون بہانے کیلئے جائیں۔ نہ انتظامِ سلطنت میں اُسکا ماتھ بٹائیں۔ بلکہ ترکی ٹوپی پہننا چھوڑ دیں ہلال اور تارکے نشان کا استعمال نہ کریں۔ اور سلطانِ ترکی کو بُرا بھلا کہیں۔ گورنمنٹ آخر الذکر باتوں سے کبھی خوش نہیں ہوگی۔ اور وہ ایسے شخص کو نفرت کی نظر سے دیکھی گی۔

ہندی مسلمانوں کی نسبت بعض انگریزی مصنفوں کے خیالات

سر آفرڈیسی لائل کے سی۔ بی۔ سی۔ آئی۔ ای۔ اپنی کتاب ایشیاٹک اسٹڈیز کے باب گیارہ میں اسلام ان انڈیا (یعنی مسلم ہندوین) کی سُرخ سے ایک بسیط مضمون اس طرح شروع کرتے ہیں۔ "ڈاکٹر ہنٹر کی کتاب اور انڈین مسلمانس (ہمارے ہندی مسلمان) نامی بہت ہی دلچسپی پر مبنی گئی۔ مگر ساتھ ہی ان لوگوں کو جو مذہبی اور سیاسی معاملات کو خطرناک صورت میں دیکھتے ہیں ہنٹر صاحب کی کتاب نے پریشان بنا دیا۔ مصنف کتاب (ہنٹر) انگلستان میں اعلیٰ درجہ کا لکھنے والا مشہور ہے۔ ہمیں کلام بھی نہیں چند سال گزشتہ سے خاص اس معاملہ میں جو کچھ اُسے عام شہرت اور ناموری حاصل ہوئی ہو وہ آج تک کسی انگریز افسر کو نصیب نہیں ہوئی جو کتاب سٹر ہنٹر ہندوستانی معاملات پر لکھ کے لندن بھیجتے ہیں اُسکو ہزاروں آدمی بہت دلچسپی سے پڑھتے ہیں اور بڑے بڑے عالی دماغ انصاف سے اُسکے مضامین پر غور کرتے ہیں اور انہیں جانچتے ہیں

تعجب ہو کہ وہ انگریز جنہیں فی الحقیقت ہندی معلومات میں پوری مہارت ہو اور جو موجودہ علم ادب کے بھی ضل میں ہنٹر صاحب کے آگے انکی دال نہیں گلتی۔ اور جو شہرت ہندی اقتضات کے بیان کرنے اور جانچنے کی ہنٹر صاحب نے حاصل کر لی ہو اسکی ہوائگ بھی کیونہیں لگی۔ اچھی تک مشہور صوف کے آگے کیسا چراغ نہیں جلا اور خواہ کچھ ہی قابلیت کیون نہ ہو کوئی آنکھ بھر کے بھی دوسرے مصنف کی کتاب ہنٹر صاحب کی مصنفہ کتاب کے آگے نہیں دیکھتا۔ میکالے کو ہم اس سے مستثنیٰ کرتے ہیں۔ اسکی لیاقت۔ دماغی قابلیت اور واقفیت نے اپنا سکھ بٹھا دیا ہو۔ اس ضل مورخ نے وارن ہیسٹنگ اور کلایو کے کارنامے لکھ کے معمولی ناظرین کو اپنا گرویدہ بنا لیا ہے مگر اسکی تحریر کا طرز بتا رہا ہو کہ اسہیں رنگینی اور لغاضی سے زیادہ کام لیا گیا۔ اور اسکی مصنفہ کتاب بحیثیت ایک تاریخ کے دنیا میں پیش نہیں ہو سکتی۔ عبارت کی رنگینی میں میکالے کی بہت سی اخلاط بھی پوشیدہ ہیں جنکو معمولی آنکھ نہیں دیکھ سکتی۔ اخیر سٹر ڈبلیو۔ ایم ٹارنسن نے ایک کتاب ایسا پرائن ایشیا لکھ کے اسکی بہت سی کھلی غلطیوں کی اصلاح کی۔ یہ کتاب ۱۹۴۷ء میں شائع ہوئی تھی۔

ڈاکٹر ہنٹر صاحب کی رایوں کا لب لباب صرف یہ فقہ ہو جو انکی کتاب کے آغاز میں پایا جاتا ہو وہ لکھتے ہیں کہ ”ہندی مسلمان اب بھی اور سالہا سال سے انگریزوں کی حکومت ہند کے لئے خطرناک عنصر ہیں۔“ ڈاکٹر ہنٹر صاحب بیان کرتے ہیں کہ ہماری شمال مغربی سرحد پر آئے دن جو جو خرابہ ہوتا رہتا ہو اسکی ایک ادنیٰ دلیل ہو۔ پھر مختلف وجوہات بیان کر نیکے بعد ڈاکٹر ہنٹر خود بخود یہ سوال کرتے ہیں۔ ”آیا ہندی مسلمان ملکہ معظمہ کے خلاف بغاوت کرنا اپنا فرض مذہبی سمجھتے ہیں“ اس کے بعد ہنٹر صاحب نے ان تکالیف کا ذکر کیا ہے جو ہندی مسلمانوں کو انگریزی حکومت سے پہنچ رہی ہیں۔ ان کا بیان ہو کہ اسوجہ سے ناراضی کلینج ہو گیا ہو اور یہی سبب ہے کہ مسلمان سخت

بدول ہو رہے ہیں۔ پھر ڈاکٹر صاحب نے خاص ایک باب میں وہابیوں کا ذکر کیا ہے، انکی اصل بتائی ہو کہ مذہب وہابیہ کمان پیدا ہوا اور اسکا اثر ہندوستان میں کیونکر پہنچا۔ مجھے اسکی ضرورت نہیں ہو کہ میں وہابیوں کے واقعات تاریخی بیان کرنے میں ہنٹر صاحب کی تقلید کروں بلکہ میرا یہ ارادہ ہو کہ میں اس بات کو ظاہر کروں۔ آیا ہنٹر صاحب نے واقعات کی تطبیق کے بعد جو نتائج نکالے ہیں وہ کمان تک صحیح ہیں۔ تاکہ ہر فہمیدہ انگریز سمجھ لے کہ ڈاکٹر ہنٹر صاحب کے استنباطی مسائل کمان تک درست ہیں۔ اور انہوں نے نتیجہ نکالنے میں کمان تک واقعات کو مد نظر رکھا ہو عبارت کو دلچسپ بنانے اور الفاظ میں جان ڈالنے میں ہنٹر صاحب نے ایک خاص قابلیت دکھائی ہو ان کے استنباطی نتائج صحیح تھے تو ضرور ہیں لیکن سب پر صداقت کا طلاق نہیں ہو سکتا ہنٹر کے بعد کرنل ناسولیس صاحب ہیں جنہوں نے مسلمانوں کی تکالیف کو شمار کرایا ہو جن کی تحریر کو ہنٹر نے شائع کے لندن ٹیمس میں مین چھپیوں کی صورت میں شائع کرایا تھا۔ کرنل لیس اسلامی کالج کلکتہ کا پرنسپل تھا اور نشیبی بنگال کے مسلمانوں کی طرف سے ہمیشہ توجہ رہی ہو۔ فاضل لیس نے ہماری تعلیمی حکمت عملی پر ہمیشہ نکتہ چینی کی ہو اور میکالے کی تعلیمی تحریک پر بہت سنگین اعتراض کیے ہیں وہ کہتا ہو کہ جو تعلیم کا طریقہ ہم نے نکالا ہو۔ اس سے ہماری مسلمان رعایا کے تمدنی اور سیاسی حالت کو بہت صدمہ پہنچا ہو۔

ڈاکٹر ہنٹر اور کرنل لیس نے مسلمانوں کی طرف سے بڑے بڑے الزامات ہم پر رکھے ہیں اور جو واقعات اُس نے قلمبند کیے ہیں وہ زیادہ تر نشیبی بنگال کے مسلمانوں سے چسپان ہوتے ہیں مگر انہوں نے کل ہندوستان کے مسلمانوں سے چسپان کرنے چاہے ہیں اور انہیں زبردست مسطفی پر اپنے میں عامہ خلاق اور گورنمنٹ کے آگے پیش کیا ہو۔ وہ الزامات جو گورنمنٹ ہند پر لگائے گئے ہیں حسب ذیل ہیں۔

”ہمیں اُن سخت الزامات سے اپنے قانون کو بند کرنا چاہیے جو ہندو مسلمانوں نے ہم پر لگائے ہیں۔ وہ ہم پر الزام لگاتے ہیں کہ تمام معزز راجہ گورنمنٹ نے ہمارے مذہب کے علما کے لئے بند کر دی ہیں۔ وہ ہم پر الزام قائم کرتے ہیں کہ حکومت ہند نے تعلیم کا نیا سلسلہ نکال کے ہمیں کہیں کا بھی نہیں رکھا۔ کیونکہ اُسکے لئے ہم تیار نہ تھے اور اب ہماری حالت گد اگری تک پہنچ گئی ہے۔ وہ الزام لگاتے ہیں کہ ہمارے شرعی محکموں کو موقوف کر کے جو شادی اور مذہبی احکام صادر کرتے تھے ہمارے ہزار ماخذا قانون پر ایک آفت اور مصیبت پیدا کر دی۔ وہ الزام رکھتے ہیں کہ ہماری مذہبی تقریبات اور ان کے ذرائع بند کر کے تکمیل فرامیض مذہبی ہیں۔ بہت کچھ نقصان پہنچایا ہے۔ وہ ہمیں اس بات پر ملزم گردانتے ہیں کہ ہم نے اپنے زمانہ ترقی اور بہبودی میں اُنہر ذرا بھی رحم نہیں کھایا اور ہمارے قدیم بادشاہوں اور حکمرانوں کو برباد کر دیا۔ وہ ہم سے التجا کرتے ہیں کہ ہم اُن کے ساتھ فیاضانہ برتاؤ کریں اور اولوالعزمی کے ساتھ اُن سے پیش آئیں۔“

یہ الزامات میں جو فاضل مورخوں نے مسلمانوں کی طرف سے ہم پر لگائے ہیں لیکن مجھے شبہ ہو آیا یہ گرم اور تیز جھلے فی الواقع مسلمانوں کی طرف سے پیش ہو سکتے ہیں یا نہیں۔ اور آیا ان الزاموں میں عام مسلمانوں کے خیالات کو صحیح طور پر پیش کیا گیا ہو یا نہیں مجھے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ الزام محض فاضل مورخ کے خیالات کا نتیجہ اور اُسکی خود ایجاد ہیں۔ یہ گرم اور تیز فقرے تو پول کی زبان سے ہی سلطنت میں اچھے معلوم ہوتے یا پچاس سال گزشتہ اگر یونانی ترکی شخصی اور خود مختار حکومت میں ایسا بیان کرتا یا آئرش یا پانچ گزشتہ صدی کے سخت ترین قوانین سلطنت کی نسبت یہ خیالات ظاہر کرتا تو بہتر ہوتا ایسے سخت خیالات اسوقت بھی موزوں نہیں ہو سکتے تھے اگر ہم بھی مسلمانوں کیساتھ

ایسا سلوک کرتے جو انہوں نے دنیا کے اور مقامات پر نصاریٰ سے کیا ہے۔ یا جیسا شاہ اورنگ زیب نے ہندوؤں پر مظالم کیے ہیں یا جیسا حیدر علی اور ٹیپو نے مسوورین ہندوؤں پر روا رکھے ہیں۔

موجودہ ہند کے مسلمان باستانائے ادنیٰ طبقہ کے مسلمانوں کے اعلیٰ درجہ کے مشرقی مدبرین اور انہیں ایشیائی تاریخ کا بہت بڑا علم ہے اور وہ بہت کچھ تجربہ رکھتے ہیں وہ ان سخت جملوں کی جو ڈاکٹر ہنٹر نے انکی طرف سے بیان کیے ہیں اچھی طرح قیمت جانتے ہیں۔ وہ اپنی گزشتہ اور موجودہ حالت کا اچھی طرح مقابلہ کر سکتے ہیں۔ اسمین کلام نہیں کہ ہماری سلطنت سے انہیں گونا گوارت ضروری اور وہ ہمارے انتظامی سلسلہ کو ناپسند بھی کرتے ہیں۔ ان میں سے اکثر عیسائیوں سے سخت متعصب ہیں۔ اور ان کا یہ تعصب ایک نئے سال کی قریباً نہ کارروائیوں سے برابر چلا آتا ہے اور وہ ان انگریزوں سے بھی نفرت کرتے ہیں جو ہندوستان میں آئے آباد ہو گئے ہیں۔ مشرق اور مغرب میں ہمیشہ سے ایک لاگ چلی آتی ہے۔ اور اسمین مسلمان بھی مستلزمین۔ لیکن جو الزامات ڈاکٹر ہنٹر نے مسلمانوں کی طرف سے ہماری حکومت ہند پر رکھے ہیں۔ ان کا بہت بڑا حصہ محض غلط ہے۔ ان الزاموں سے ایک سخت غلط فہمی ملک میں پھیل گئی ہے۔ اور یہ سب وجہ میں نے ہنٹر صاحب کے خلاف قلم اٹھایا ہے۔ سرائیل کی تحریر یہاں ختم ہو گئی۔ ہم نہیں کہہ سکتے جو کچھ ہنٹر لیس اور لائیل نے ہندی مسلمانوں کی طرف سے لکھا ہے کمان تک صحیح اور کمان تک غلط ہے۔ لیکن یہ ہم ضرور کہیں گے کہ جو حالت ہم اپنی خود بیان کر سکتے ہیں غیر شخص برگزینین بیان کر سکتا۔ ہمیں اپنی حالت کا اندازہ نسبت دوسرے کے اچھی طرح ہو سکتا ہے۔ جب ہم خود اپنی وکالت کو نیکی قابلیت رکھتے ہیں ہم ہمیں کیا ضرور ہے کہ ہم ایک اجنبی شخص کو اپنا وکیل بنائیں۔ ہمیشہ انگریزی مصنفوں نے غلط

پیرائے مین ہماری حالت کا نقشہ حکومت ہند کے آگے پیش کیا ہے اور ہم افسوس کہتے ہیں کہ ہم ہرگز کسی مصنف کی بالکل یہ رائے سے اتفاق نہیں کرتے۔ اس میں ہرگز شک نہیں کہ ابتدائے زمانہ میں مسلمانوں کی عام نظریں انگریزوں پر اختلاف مذہب کی وجہ سے بھی نہیں پڑتی تھیں۔ لیکن یہ نفرت بہت ہی قلیل عرصہ تک رہی اور باستثنائے جاہل مسلمانوں کے شریف گروہ انگریزی سلطنت کو اپنے حق میں برکت سمجھنے لگا۔ غدر سے پہلے علما کا ایک گروہ انگریزی ملازمت میں داخل ہو چکا تھا۔ مفتی صدر الدین جیسا فاضل اور مذہبی پیشوا انگریزی عدالت کا صدر الصدور تھا۔ مولوی فضل حق خیر آبادی جیسا زبردست عالم انگریزی کچہری میں سرشتہ داری کا کام کرتا تھا۔ حضرت مولانا شاہ عبد الغفر صیام جمع خلائق اور مسلمانان ہند کا پیشوا اس بات پر مجبور ہوا تھا کہ انگریزی حکومت سے اپیل کر کے چند قطعات زمین کو حاصل کرے جو در ثنائے آپ کے خاندان میں چلے آتے تھے اور چہرہ جنگ اور بے انتظامی کی وجہ سے غیرین کا قبضہ ہو گیا تھا۔ انہی میں سکندر صاحب کا رسالہ اس بات کا شاہد ہے کہ کتنے شرفاء نے انگریزوں کی جنگی ملازمت اختیار کر لی تھی۔ اور خوشی سے دیکھا جاتا ہے کہ سکندر صاحب کے رسالہ میں جتنے افسر اور سوار تھے۔ سب کے سب خاندانی اور شریف تھے۔ اور ایسے شریف جنہیں پشتہا پشت تک بھی کوئی فی نہیں نکال سکتا چنانچہ میرے نانا عالیجناب میر قدرت اللہ صاحب رسالہ دارم رحم و مغفور اور میرے مینوں میں اسی رسالہ میں ملازم تھے۔ اور جنہیں سے ایک ماموں کا جو سرکاری نیشن یافتہ تھے اور جن کا اسم مبارک میر عبد الرحیم تھا بھی انتقال ہوا ہے۔ اس طرح اس رسالہ میں کل کے کل علی وجہ شریف اور خبیث تھے جو سرکار کپنی کی طرف سے عد میں پہاڑی پر خوب خوب لڑے اور باغیوں کی اچھی طرح سرکوبی کی۔ یہ ساری باتیں شہادت دیتی ہیں کہ سو برس اور اس سے مسلمانوں کی نفرت انگریزوں سے دور ہونے لگی تھی اور شریف تعلیم یافتہ مسلمان خود بخود انگریزی حکومت کی بہترین سمجھ کے

اُس سے مانوس ہوتے جاتے تھے۔ اور اب تو یہاں تک کیفیت ہو گئی ہے کہ موجودہ زمانہ کے تعلیم یافتہ مسلمان بالکل انگریزی معاشرت میں غرق ہو گئے ہیں اور انہیں انگریزوں کی برسات خواہ اچھی ہو یا بُری دل سے بھاتی ہے۔ اور جو مسلمان تعلیم یافتہ نہیں ہیں انہیں انگریزی حکومت سے اس لئے دلچسپی ہے کہ اُن کے نہی حقوق کی کامل حفاظت کی جاتی ہے اور ہر مذہبی آزادی مناتے ہیں۔

ہم خوب جانتے ہیں کہ ہماری مذہبی آزادی بعض اسلامی ممالک میں کیسی ہے اور ہمارے آزادانہ خیالات کو کس قدر صدمہ پہنچایا جاتا ہے۔ ایران میں ایک پر دیہی سنی المذہب آزادی اور خوشی سے نہیں رہ سکتا۔ افغانستان میں وہابیوں کی زندگی محال ہے۔ نجد میں متعلکہ کاگز رہ نہیں غرض قیہ ضرور ہے کہ کسی اسلامی سلطنت میں خواہ سلطنت کی اسپین کچھ ہی مصلحت کیوں نہ کی شخص کو حکم نہیں ہے کہ مذہبی آزادانہ خیالات کا اظہار کرے۔ احمد شاہ کہ انگریزی سلطنت میں یہ بات نہیں ہے۔ باوجودیکہ یہاں متضاد عنصر جمع ہیں۔ اور اسکے سوا تیرہ سو برس سے عیسائیوں اور مسلمانوں میں قتل و غارت ہو رہی ہے۔ لیکن مسلمان ایک حد تک بہت آزاد ہیں اور یہ وہ آزادی ہے جو انہیں صد بابرس سے نصیب نہیں تھی۔

اسلامی سلطنت ہند میں معمولی شخص تو کجا خود شہنشاہ کا نپا کرتے تھے اور انکی مجال تھی کہ خلاف عقیدہ ملک کچھ بھی زبان سے نکال سکیں۔ اکبر نے آزادانہ خیالات مذہب کی نسبت ظاہر کیے تھے۔ اسکی وہ دھوم مچی اور وہ مخالفت ہوئی کہ اخیر اکبر کو صاف انکار کرنا پڑا۔ ملا عبد القادر بدایونی کے حملے۔ فیضی۔ ابوالفضل اور خود اکبر کو گالیان دینا تاریخچہ میں مرقوم ہے۔ یہ بندک بندہ تو حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ راشدین کے وقت میں بھی نہ تھی۔ ملا عبد القادر نے جو فیضی پر ناجائز اور شرمناک حملے کیے ہیں۔ ان سے یہ پتہ چلتا ہے کہ

اکبر کے زمانہ میں جو آزادی کا زمانہ کہلاتا ہو کس بلا کا مذہبی تعصب رائج تھا اور کیا ممکن تھا کہ عام مسلمانوں کے عقیدے کے خلاف کوئی ایک لفظ بھی زبان سے نکال سکتا۔ اس کے مقابلہ میں جو زمانہ کہ قدر آزادی کا ہو کہ ہر شخص اپنا مافی الضمیر اور اگر سکتا ہو اور کوئی شخص اس کی طرف آنکھ اٹھانے کا نہیں دیکھ سکتا۔

بعض علمائے شہنشاہ اکبر کو خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہونے کا فتویٰ دیا تھا۔ اگرچہ اُس زمانہ میں متعصب ملائون نے ایسے فتوے کی مخالفت کی تھی۔ لیکن ہماری رائے میں اُنکی مخالفت فضول تھی۔ مجددِ مملکت شیخ عبد اللہ بنی صدر الصدور۔ قاضی جلال الدین بلکانی قاضی القضاۃ اور صدرِ جہان مفتی کل شیخ مبارک اور غازی خان بدخشی وغیرہ جید علمائے ایک محضر نامہ تیار کیا جس کا مضمون یہ تھا کہ ہر امام عادل مجتہدوں سے زیادہ فضیلت رکھتا ہو۔ اور مسائل مختلف فیہ میں اگر وہ مرجع روایت کو اختیار کرے تو جائز ہے اس سے یہ غرض تھی کہ کوئی شخص احکامِ ملکی اور شرعی میں اکبر سے مخالفت نہ کرے۔ بحث کو بڑا طول ہوا گفتگو یہاں تک آٹھری کہ اجتہاد اور مجتہد کس کو کہتے ہیں اور امام عادل کو جو ملکی مصلحتوں سے اچھی طرح واقف ہو یہ اختیار ہے کہ بحسب مصلحت وقت کسی مسئلہ مختلف فیہ کو جاری کر دے۔ کل علمائے اس فتوے پر مہرین ہو گئیں۔ یہ ممکن ہو کہ بعض علمائے ناخوشی سے مہرین کی ہوں۔ لیکن مہرین قریب قریب سب کی ہو گئیں۔ اصل محضر حسبِ ذیل ہے۔

”مقصود از تشدید این مبانی و تمہید این معنی آنکہ چون ہندوستان عن
الحمد شان بیاسن مبدلت سلطانی و تربیت جہان بنانی مرکز اسرارِ امان و دائرہ عدل و
احسان شدہ طوائفِ انام از خواص عوام خصوصاً از علمائے عرفان شعائر و خدائے
دقائق اشار کہ ہادیانِ بادِ نجات و سالکانِ مسالک اتوا العلم درجات اند از عرب و عجم

رویدین دیارِ مناوہ توطن اختیار نمودند جمہور علمائے فحول کہ جامع فروع و اصول
و حاوی مقبول و منقول اند و بدین دیانت و صیانت انصاف ارند بعد از تیر
وافی و قائل کافی در خوا مضی کہ کریمہ اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول واولی الامر منکم
و احادیث صحیح ان احب الناس الی اللہ یوم القیمة امام عادل من یطعم الامیر فقد
اطاعنی ومن یعصی الامر فقد عصانی و غیر ذلک من الشواہد العقلیة و الدلائل
النقلیة قرار دادہ حکم نمودند کہ مرتبہ سلطان عادل عند اللہ زیادہ تر از مرتبہ مجتہد
و حضرت سلطان الاسلام کشف الانام امیر المؤمنین ظل اللہ علی العالمین ابو الفتح
جلال الدین محمد کبیر بادشاہ غازی علی اللہ ملکہ ابدًا عادل و عقل علم باشد
اند بنا بران اگر در مسائل دین کہ بین المجتہدین مختلف فیہا است بزہدین ثاقب فکر
صائب خود یک جانب را از اختلاف بجهت تسہیل معیشت نبی آدم و مصلحت انتظام
عالم اختیار نمودہ بآن جانب حکم فرمائید متفق علیہ میشود و اتباع آن بر عموم
برایا و کافہ رعایا مستحکم است و ایضا اگر بموجب رائے صواب نمائے خود حکم از حکام
قرار دہند کہ مخالف نصے نباشد و سبب ترقیہ عالمیان بودہ باشد عمل بر آن نمود
بر ہمہ کس لازم و مستحکم است و مخالف آن بموجب سخط اخروی و خسروان دینی و دنیوی است
و این سطور صدق و فور حسبہ للہ و اطہار الاجرا حقوق الاسلام بحضر علمائے دین
فقہائے مجتہدین تحریر یافت و کان ذلک فی شہر رجب سنۃ سبع و ثمانین^۳

”سبع مائۃ“

یہ فتوے شیخ مبارک ابو الفضل اور فیضی کے پدر بزرگوار نے اپنے ہاتھ سے لکھا تھا۔ یہ شخص علاؤ
فاضل ہونیکے پرہیزگار اور متقی بھی بہت بڑا تھا۔ اُس نے فتوے کے نیچے اپنی طرف سے یہ عبارت

لکھی تھی۔ ”این امریت کہ من بجان دل خوانان واز سالما باز منتظر آن بودم“ اس میں شک نہیں کہ اکبر کو خلیفہ بنانے کی بہت بڑی حکمت عملی تھی۔ اور یہ علمائے وقت کا کام تھا جنہوں نے قریشی ہونے کو ضروری نہ سمجھے ایک ترکمان کو خلیفہ بنا دیا۔ ہم نے جو کچھ اوپر لکھا ہو اسکا مفہوم صرف یہ ہو کہ خلیفہ ہونیکے لیے قوم قریش کی ضرورت نہیں ہو۔ یہی رائے علمائے دربار اکبری کی ہو۔ اب رہا یہ کہ فتوے میں جو کچھ لکھا گیا ہو زیادہ دلائل سے کام نہیں لیا صرف پر شوکت الفاظ کی بھرتی کر دی۔ یہ اعتراض دوسرا ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ شیخ مبارک ایک فاضل شخص تھا۔ مگر اس زمانہ کا پیمانہ علم اسقدر تھا۔ جو کچھ ہم نے گزشتہ صفحوں میں لکھا ہو ایک مصنف نظر ضرور اس بات کا فیصلہ کرے گی کہ اس قسم کی طرز تحریر سے ہمارا پایہ خوشی مبارک اور اس زمانہ کے علمائے بہت بڑھا ہوا ہو کیونکہ جو کچھ ہم نے لکھا ہے اسی مضمون پر اس سے بہتر کوئی نہیں لکھ سکتا۔ جو لکھا گیا انقطاعی لکھا گیا۔ اور خلافت کا فیصلہ ہمیشہ کے لیے قطعی ہو گیا۔

اب رہا یہ جو فتوے خلیفہ ہونیکا اکبر پر دیا گیا اکبر خلافت کے موزن تھا یا نہیں اسکا فیصلہ فتوے دینے والے علما کر لینگے۔ ہمارا مطلب تو صرف یہ ہو کہ غیر قریش بھی خلیفہ ہو سکتا ہو۔

اب سوال یہ ہو کہ آیا شاہ ایران۔ سلطان مراکو۔ سلطان مسقط۔ سلطان دہلی یا اور سلاطین افریقہ۔ خدیو مصر۔ اور امیر افغانستان خلیفہ یا امیر المومنین ہو سکتے ہیں یا نہیں۔ اور آیا مسلمانوں پر انکی اطاعت کرنی فرض ہو یا نہیں۔ میرا خیال یہ ہو کہ یہ سب اسلامی حکمران خلیفہ رسول اللہ ہیں۔ اور ان میں ایک بھی ایسا نہیں ہو جو خلیفہ نہ ہو سکے۔ شاہ ایران اور نیز کل سلاطین افریقہ اور امیر کابل خلیفہ ہیں۔ اور اس میں کوئی بھی اختلاف نہیں کر سکتا۔ پھر سوال یہ پڑا

ہوگا کہ خلیفہ ایک ہونا چاہیے۔ یہ درجنوں خلیفہ ایک ہی زمانہ میں کیسے۔ اسکا جواب اور امر متنازعہ کی توضیح حسب ذیل ہے۔

خلفائے راشدین کی وقت میں جب دار الخلافہ مدینہ تھا تو صرف ایک ہی خلیفہ تمام اسلامی دنیا پر حکمران تھا۔ اور چونکہ مرکز خلافت وہ مقام تھا جہاں حضور انور آرام فرما رہے ہیں۔ اسلئے یہی مناسب تھا کہ ہر حکمران اسکی طرف وقت سے دیکھے اور اسکا احترام کرے۔ جب مرکز خلافت مدینہ نہیں قرار دیا گیا اور ہر ایک قوت کے کئی کئی ٹکڑے ہو گئے تو ایک ہی زمانہ میں دو دو تین تین مقامات پر خلیفہ نامزد ہوئے۔ کل مسلمان اور گروہ علماء انہیں امیر المؤمنین اور خلیفۃ المسلمین کے نام سے پکارتا تھا۔ ایک ہی وقت میں بنو عباس بنی فاطمہ اور بنو امیہ اپنے اپنے ممالک میں خلیفہ کہلاتے تھے اور کبھی اُن کی خلافت پر کوئی اعتراض نہیں ہوا۔ خلیفہ کوئی منصوبی امر نہیں ہو کہ سوائے ایک آدمی کے کسی پر چپان نہ ہو جسطرح علماء جانشین مسند حضور انور سمجھے جاتے ہیں خواہ اُنکی تعداد کتنی ہی ہو۔ اسطرح مسلمان بادشاہ خواہ وہ صد ہا ہوں۔ لیکن رسول کریم کے خلیفہ ہی مشہور تھے۔ اسلئے کوئی وجہ نہیں کہ موجودہ زمانہ کے مسلمان حکمران خلیفہ نہ ہوں۔ خواہ اُنکی تعداد کتنی ہی ہو۔ شاہ ایران کو اُنکی رعایا خلیفہ تسلیم کر سکتے ہو۔ اسطرح امیر افغانستان کو افغانی خلیفہ مان سکتے ہیں۔ اسی لحاظ سے امیر نے ایک لقب اختیار کیا جو خلیفہ کی شوکت سے بھی بڑھ جاتا ہو مثلاً ضیاء اللہ قالو الدین امیر المؤمنین کا لقب سابق خلفائے بھی بڑھ چڑھ کے ہو۔ اس لقب یا خطاب پر کسی مولوی کی مجال نہیں ہوتی کہ مخالفت کر سکتا۔ ہندوستان عرب ترکی اور خود افغانستان کے مولوی نہیں ہیں گھنگنیاں لیکے چپکے ہو رہے اور کسی نے ہون تک بھی نہیں کیا۔ امیر المؤمنین کا لقب جو خلفاء راشدین نے اختیار کیا تھا امیر کابل اسکا سراوار ہو یا نہیں۔ حالانکہ امیر کے قبضہ میں کہ مدینہ اور

بیت المقدس جیسے مقدس مقامات نہیں ہیں۔ پھر وہ یہ لقب اختیار کر کے سلطان ترکی سے بھی بڑھ گیا۔ یہ اعتراض ہو سکتا ہے اور عام فہم کے مطابق ممکن ہے کہ یہ اعتراض صحیح بھی ہو۔ مگر میرا خیال یہ ہے کہ اس پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ اس سے زیادہ القاب بھی وہ اختیار کرتے تو نکتہ چینی محال تھی۔ قرآن مجید یا احادیث صحیحہ میں کہیں بھی یہ نہیں لکھا کہ خلیفہ ایک ہی ہو۔ اگر ایسا لکھا جاتا تو قانون قدرت کے مخالف تھا۔ ایک ہی وقت میں کئی کئی خلیفہ ہوئے اور جب تک اسلامی سلطنتیں قائم ہیں یوں ہی خلیفہ ہوتے چلے جائینگے۔ ان خلفاء کی اطاعت کرنی انکی رعایا پر فرض ہے۔ جس کا حکم قرآن مجید میں لگایا ہے۔ مگر وہ لوگ جو اس خلیفہ کے ملک میں نہیں رہتے انہیں اسکی اطاعت سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ مثلاً ہم ہندی مسلمانوں کو کسی خلیفہ سے کچھ بحث نہیں ہے۔ مان یہ بات دوسری ہے کہ ہماری نگاہوں میں اسکی وقعت ہو۔ ہم اسکی بہتری دل سے چاہتے ہوں۔ اور اسکی ترقی کے دل سے آرزو مند ہوں۔ صرف اس وجہ سے کہ وہ مسلمان ہے۔

مسلمان خواہ کیسے ہی برباد ہو جائیں پھر بھی انہیں کچھ کچھ محبت کا حصہ ملا ہے اور ایک مسلمان کی ترقی اور منزل بہت کچھ دلپراثر کرتا ہے۔ سوائے اس قدرتی تعلق کے جو روز پیدائش سے اُن کے خون میں ملا ہوا ہے اور کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور یہ وہ تعلق ہے جسے کوئی زبردست قوت بھی دل سے نہیں مٹا سکتی۔ اب رہی یہ بحث کہ جب اتنے خلیفہ ہو گئے تو پھر سلطان کی خلافت کی کیا وقعت رہی۔ خلیفہ کا لفظ مسقط اور مراکویہ تجارت۔ ایران تجارت اور افغانستان حکمرانوں کے نام کے ساتھ لگا ہوا ہے۔ اور بس۔ مگر نہیں ایک امتیاز ضرور ہے۔ اور یہ ایسا ہی امتیاز ہے جو ہر عصر میں ہونا چلا آیا ہے۔ اس وقت سلطان المعظم کے قبضہ میں وہ مقامات مقدس ہیں جہاں ہزاروں لاکھوں پیغمبر پیدا ہوئے اور اپنی نبوت کا اعلان دیا۔ اور یہ وہ مقدس مقامات ہیں

جنگو باستانائے ہنود اور بودھ کے دنیا کی کل متمدن اور حکمران قومیں متشکک اور بزرگ
 سمجھتی ہیں۔ اس وسیع ارض مقدس کا ایک سلطان کے قبضہ میں ہونا اس بات پر حلات
 کرتا ہے کہ وہ اپنے ہمصر حکمرانوں سے کہیں زیادہ وقیع ہو اور اسکی عظمت اُن حکمرانوں سے
 جنہیں اِن مقدس مقامات کی خدای کا فخر حاصل نہیں ہے بہت بڑھی چڑھی ہو۔ اس لحاظ سے
 سلطان ترکی غازی عبدالحمید خان موجودہ مسلمان حکمرانوں سے وقعت اور عزت میں بڑا ہی
 اور ساتھ ہی اسکی قوت بھی بہت بڑھی ہوئی ہے۔

موجودہ زمانہ ہی کا یہ نقشہ نہیں ہے اول روز سے ایسا ہی چلا آتا ہے۔ جب مصر میں
 بنی فاطمہ خلافت کرتے تھے تو بنو عباس بغداد میں خلیفہ تھے۔ حالانکہ بنی فاطمہ نے سلطنت
 کی قوت اور عظمت میں بے انتہا ترقی کر لی تھی۔ لیکن وہ وقت جو بغدادیوں کو حاصل تھی
 انہیں کبھی نہیں ہوئی۔ بنی فاطمہ کے زمانہ عروج میں بغدادی خلافت صرف جلد کے اس
 پار رہ گئی تھی اور تمام مقبوضات نکل چکے تھے۔ مثلاً جان نکل چکی تھی مگر لاش پڑی ہوئی
 تھی۔ تو یہی جو ناموری اور وقت خلفائے بغداد کو حاصل رہی بنی فاطمہ کو کبھی نہیں ہوئی
 دنیا کے تمام مسلمان خواہ ہندوستان کے رہنے والے ہوں یا چین کے۔ خلفائے بغداد
 ہی کو اپنا خلیفہ سمجھتے رہے۔ ہندوستان کے پٹھان شہنشاہوں کے زمانہ میں خطبہ
 بنو عباس کے نام کا پڑھا جاتا تھا۔ چین میں بنو عباسی خلیفہ مانے جاتے تھے۔ اس زمانہ
 بھی چین کے مسلمان یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ خلافت بغداد کا قیام ہے اور ہم اُسکی تابع ہیں
 بنی فاطمہ کی وقت صرف اسلئے زیادہ نہیں ہوئی کہ وہ بغداد کی طرف سے مصر
 میں یلگینائے گئے تھے۔ بغداد کے ضعف پر بغاوت کر کے سرکشی اختیار کر لی اور خود مختار
 بن بیٹھے۔ دوسرے اُن کا قبضہ ارض مقدس پر کبھی نہیں ہوا جس سے اُنکی وقت لوگوں کے

دولت میں جمعی۔ جو شوکت خلفائے بنی فاطمہ نے پیدا کی تھی وہ خلفائے بنو عباس سے کسی طرح بھی کم نہ تھی۔ لیکن مصر کی چار دیواری سے ان کا نام کبھی باہر نہیں نکلا تو بھی بنی خلیفہ کہتے تھے۔ اور انکی خلافت ابھی تک تسلیم کی جاتی ہے یعنی اس زمانے میں بھی اگرچہ وہ گئے۔ لیکن لکھے اور کئے خلیفہ جاتے ہیں۔ اسی لحاظ سے سوائے سلطان ترکی کے اگرچہ کل اسلامی حکمران اپنی اپنی جگہ خلیفہ ہیں۔ لیکن سب سے زیادہ وقت آل عثمان کی ہی کیونکہ گوارہ انبیاء ان کے ہاتھ میں ہے اور مقدس مقامات کی خدائی انہوں نے نہایت خوش اسلوبی سے اب تک نبھائی ہے۔ یہی بہت بڑی بات ہے۔ جو احترام اس وقت مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کا کیا جاتا ہے۔ گزشتہ زمانہ میں اتنا نہیں ہوا۔ لاکھوں روپیہ سالانہ کا اخراج سلطان اعظم نے اپنے ذمہ لے لیا ہے اگرچہ وہ کبھی حج کرنے نہیں آئے جیسا کہ خلفائے راشدین آیا کرتے تھے لیکن ان کی طرف سے کل زمین بطور احسان انجام کو پہنچتی ہیں۔

ترکی میں حدود اللہ کا جاری نہ ہونا

عام اعتراض یہ ہے کہ ترکی میں حدود اللہ کا اجرا نہیں ہے۔ مثلاً قطع ید کا ہونا اور سو خوار کی ممانعت۔ یہ دونوں باتیں عقا صفت ہیں۔ نہ قطع ید ہوتا ہے اور نہ سلطنت سو خوار کی پہنچتی ہے۔ حتیٰ کہ حجاز ریلوے کو چندہ کاروپہ بھی عثمانی بنک میں کچھ سود پر جمع کر دیا گیا ہے۔ عام خیال کے بموجب ایک اسلامی خلافت کیلئے سو خوار کی کتنی ناجائز بات ہے اور ایسا سلطان یا خلیفہ جو سو خوار ہو اور اسکی سلطنت میں حدود اللہ جاری نہ ہوں وہ کیوں کر مسند خلافت پر بیٹھنے کے قابل ہو سکتا ہے۔ یہ اعتراض ایک مذہبی دماغ کے لئے جبین تعصب اور تنگی بھری ہوئی ہونے پر زیادہ موزوں ہے۔ لیکن جو شخص اسلامی تمدن اور خلفائے سابقین کے طرز عمل سے

بخوبی واقف ہو وہ جانتا ہے کہ اس قسم کی کوتاہیان بشرطیکہ وہ کوتاہیان بھی تسلیم کیا ہیں خلافت میں کوئی نقص نہیں پیدا کر سکتیں۔ خلفائے بنی فاطمہ بنو عباس اور بنو امیہ کے زمانہ میں تو وہ بے اعتدالیان ہوتی تھیں۔ جنگی نظمیں نہیں ملتی۔ بنو امیہ اور بنو عباس کا آل نبی کو قتل کرنا بنی فاطمہ کا قتل غارت اور بے گناہ مسلمانوں کو برباد کرنا۔ اور اعتدال سے زیادہ عیاشی۔ یہ ایسے امرا تھے جو ایک متعصب مذہبی دماغ میں انکی نفرت پیدا کر سکتے ہیں۔ مگر آج تک کسی نے بھی ہونے نہیں کی۔ اگرچہ ان کی کسب صورت بڑائی کیوں نہ کی جائے۔ پھر بھی انہیں خلیفہ کہا جاتا ہے۔

کسی بادشاہ یا خلیفہ کو سلطنت کے فرائض کی انجام دہی میں جو جو دقتیں پیش آتی ہیں اسکا دل خوب جانتا ہے۔ قدرتی مجبوریاں جو ہر سلطنت کیساتھ جڑواں پیدا ہوتی ہیں کوئی حکمران انہیں نہیں نکل سکتا۔ جو حکمران ان مجبوریوں کے پابند ہوئے انہوں نے کامیابی سے سلطنت کی اور جنہوں نے ان مجبوریوں سے نکلنا چاہا انہوں نے نہ اپنے کو برباد کیا بلکہ عاتہ خلافت کا ستیاناس کر دیا اور نگ زیب اور اکبر کی حکمت عملی میں بہت بڑا تفاوت ہے۔ اکبر نے قدرتی مجبوریوں کی پابندی کی تھی اسلئے جدید سلطنت کو ایک غیر ملک میں استحکام ہو گیا اور مخالف مددگار بن گئے مگر عالمگیر نے ان مجبوریوں سے قدم باہر نکالنا چاہا جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ اسکی اولاد ایسی وسیع سلطنت کو نہ سنبھال سکی۔ اور ایسی برباد ہوئی کہ آج ایک انچہ زمین پر سلطنت مغلیہ کا قبضہ نہیں ہو سہیں کلام نہیں کہ اورنگ زیب جیسا زبردست دل و دماغ کا حکمران اگر کوئی پیدا ہو جاتا تو سلطنت سنبھل سکتی تھی۔ لیکن ہمیشہ اچھے ہی نہیں پیدا ہوا کرتے اور یہ بات قانون قدرت کے خلاف ہے اکبر اور اورنگ زیب کے اسلام میں تو شبہ نہیں دونوں پکے مسلمان تھے۔ لیکن طریقہ جاننا میں فرق تھا۔ اکبر ان راجپوتوں کو اپنا بنانا چاہتا تھا۔ جنہیں مغتج ہونے پر بھی دم خم باقی تھے اور جسے نئی طرز عمل سے اس بات کو ثابت کرنا چاہتا تھا کہ اسلام اتنا خوفناک نہیں ہے جتنا اُسے

راجپوت سمجھتے ہیں اُسے ڈاڑھی بھی منڈوانی تھی اور اپنی مان کے مرنے پر بھدرابھی کر لیا تھا۔ اکتاب کی پرستش ہندو کی طرح کرتا تھا۔ اور اپنے آگے سجدے بھی کرتا تھا۔ اس بات کا بھی خواہشمند تھا کہ مین خلیفہ مشہور ہوں۔ اور بعض اوقات ایک آسانی کتاب کے نزول کی بھی آرزو کرتا تھا۔ جب ایک شخص نے مبارکین دیکھا۔

شکر صد شکر کہ خیر البشرے پیدا شد یک بنی رفت بجائے و گرے پیدا شد

تو اکبر بہت خوش ہوا اور اُسے انعام و اکرام دیا۔ سلام کا جدید طرز سے ایجاد کرنا اور آزادانہ طور پر بعض ملاؤں کی لمبی ڈاڑھیوں پر مقدمہ اڑانا اُسکی غیر معمولی آزادی بتاتا تھا۔ مگر اس عالیجاہ خلیفہ یا بادشاہ یا شہنشاہ کی زمین بہت بڑی حکمت عملی تھی جو کچھ اُس نے کیا سچا مسلمان بن کے اُسکے سارے افعال ظاہر طور پر اگرچہ خلاف شریعت تھے لیکن اُن کا مفہوم ایک سچو مسلمان کی طرح تھا۔ اس گہری اور لاثانی حکمت عملی نے اُن ہندوؤں سے جنہیں ابھی بزرگ شمشیر زیر تھا اور جو اکبر اور اُسکے ساتھیوں کو لمحہ کہتے تھے اوتار کر کھلوادیا۔ ہندوؤں کا متبرک فرقہ برہمن علانیہ اکبر کو اوتار کہتا تھا۔ کاش اکبر بیس برس اور زندہ رہتا تو کل ہندوستان اس اوتار کے مذہب کی پیروی کرتا اور آج ہندوستان میں صرف ایک ہی مذہب ہوتا۔ راجپوتوں میں اکبر اس قدر شیر و شکر ہو گیا تھا کہ انہوں نے اپنی بیٹیاں دیدی تھیں۔ اس سے کون انکار کر سکتا ہو جو شخص اشاعت اسلام اور حمایت اسلام کے لئے اس قسم کے بعض افعال کا مرتکب ہو جو مذہبی نظروں میں کھٹکتے ہوں وہ شخص سچا امیر اور خلیفہ ہے۔ اور اس پر کوئی نکتہ چینی نہیں کر سکتا۔

را اورنگ زیب۔ اُس نے سلطنت کی تمام قدرتی مجبوریوں کو توڑ ڈالا تھا یہی اُسکی اولاد کے حق میں ہوا۔ اُسکی زبردست قوت مستقل ارادے، بی مثال سپہ لاری اور جہیز غریب مدبری کے آگے وہ منزل جبکی بنیاد اس حکمت عملی نے ڈال دی تھی۔ اُسکی زندگی میں مطلق

محسوس نہیں ہوا۔ لیکن وفات ہوتے ہی اُسکی علامتیں پیدا ہونے لگیں۔ اور چند ہی سال کے بعد اتنی بڑی سلطنت میں عام زلزلہ پڑ گیا۔ یہ ضرور ممکن تھا کہ اگر اورنگ زیب زیادہ زبردست اور قوی مدبر ہوتا تو سلطنت کا قیام دائمی ہو جاتا۔ مگر مغلیہ سلطنت کی قسمت میں جنگلی قوموں کا ہاتھوں پارہ پارہ ہونا تھا اچھا بادشاہ کیونکر پیدا ہو سکتا تھا۔ اکبر اور عالمگیر کی حکمت کا فرق ان دو الفاظ میں معلوم ہو سکتا ہو۔ اکبر دلوں پر قبضہ کر کے راجپوتوں کو اپنا کرنا چاہتا تھا اور اورنگ زیب انہیں زبردستی اپنا حلقہ بگوش بنانا چاہتا تھا۔ بس سوائے اسکے کوئی فرق نہ تھا۔ سچے مسلمان ہونے میں دونوں کے کلام نہیں۔

ایک متعصب مذہبی دماغ قدرت کے اس گہرے راز سے واقف نہیں ہو اور یہ مجبوری جو فی الحقیقت حدود اللہ سے تعبیر ہو سکتی ہو۔ انبیاء کے طرز عمل میں بھی داخل رہی ہے حدیث صحیح ہو کہ ہمارے ہادی برحق نے حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا سے ارشاد کیا کہ میں خانہ کعبہ کو دوسری طرز کا بنانا چاہتا ہوں۔ مگر مجھے ہمارے خوف معلوم ہوتا ہو۔ وہ یہ کہنے لگیں گے کیسا نبی ہے جو خانہ کعبہ کو ڈھاتا ہو۔ میں مصلحت نہیں سمجھتا کہ فی الحال ایسا کروں۔ نو فرضاً اگر حضور انور ایسا کرتے تو بھی یہ فعل اگرچہ مذہبی متعصب آنکھوں میں ناگوار گزرتا پھر بھی خدائے عرش و کرسی کے آگے کبھی ناجائز نہیں ہو سکتا تھا۔ کوئی فعل بڑا نہیں ہو بشرطیکہ نیک نیتی سے کیا جائے۔

انتظام سلطنت خلفائے راشدین کی وقت میں بھی شریک مذہب نہیں کیا گیا جو انتظامی صورتیں و فرائض کے ذرائع۔ تنخواہ دار ملازمین کا رکھنا وغیرہ وغیرہ ان کل باتوں کو قرآن اور اُسکی تعلیم سے کیا سرکار تھا۔ قرآن میں کب لکھا تھا کہ مسلمان مسلمانوں کو فوج کریں۔ حضرت عثمان کو مسلمانوں نے شہید کیا اور پھر بھی وہ مسلمان ہے۔ حضرت بی بی عائشہ اور حضرت

علی رضی کی لڑائیوں میں صد ہا صحابہ شہید ہوئے۔ پھر بھی طرفین مذہبی نظریں واجب الاحرام ہے
 امیر معاویہ اور حضرت علی کی لڑائیوں سے نفس اسلام اور مسلمانوں کو کتنا صدمہ پہنچا تو بھی ان دونوں
 جلیل القدر صحابہ کا نام مذہبی عزت سے لیا جاتا ہو۔ یہی طرح بنو عباس نے بنو امیہ کی قبر تک
 اکھیر کے پھینک دیں۔ اور کل خاندان کو جنے سوا سو برس خلافت کی قتل کر دیا۔ لیکن ہم عصر علمائے
 اُپنر فتوے کفر نہیں دیا۔ اور نہ انہیں اسلام سے خارج کیا۔ یہ واقعات قطع ید اور سود خواری سے
 کہیں زیادہ خوفناک ہیں۔ جہاں یہ حدیث موجود ہو۔ جس مسلمان نے مسلمان کو عمدہ قتل کر دیا
 وہ دائمی جہنم میں رہے گا۔ "والمی جہنم کا رہنے والا کافر مطلق ہو۔ وہ ان لاکھوں مسلمان لاکھوں
 مسلمانوں کے ہاتھوں فرج ہو گئے۔ لیکن اُنہ کوئی اعتراض نہیں کرتا۔ بنو عباس کے زمانے میں
 اہلبیت کے بعض اماموں کا بغاوت کرنا اور مسلمانوں کا قتل ہونا۔ یہ خونی سلسلہ ایک نہ در
 تک چلا گیا۔ اور ہزاروں مسلمان قتل ہوتے رہے تو بھی امام مالک جیسا جلیل القدر امام اور
 بے نفس فاضل ہارون الرشید کو خلیفۃ المسلمین اور امیر المومنین کہتا تھا۔ اور خود اس نے
 یا اسکے ہم عصر علمائے کبھی اسکی خلافت پر جرح و قبح نہیں کی۔ وجہ کیا تھی کہ ان خطاکاریوں اور
 فرورگذاشتوں پر بھی ائمہ ان سلاطین کو خلیفہ ہی تسلیم کرتے تھے اور ذرا بھی اُنکے خلاف
 کبھی نکتہ چینی نہیں کی گئی۔ علاوہ ان بے اعتدالیوں اور خونریزیوں کے جو اوپر بیان ہوئے ہیں
 سب سے زیادہ لہذا نفسانی حاصل کرنیکے لیے فتوے لینا اور اُنہ پر عمل کرنا یہ باتیں جو اکثر تاریخ
 میں وجہ کی گئی ہیں اگر صحیح ہیں تو صاف کھلتا ہے کہ نفس خلافت کو ان باتوں سے بھی کوئی
 سروکار نہیں ہے۔

میرا خیال یہ ہے کہ یہ اور ان جیسی بہت سی باتیں خلافت میں کوئی رخنہ نہیں ڈال
 سکتیں۔ دیکھنا صرف یہ ہو۔ آیا اسلام کو ان خلفاء سے کوئی نقصان پہنچا یا فائدہ۔ اُنکے فرائض

معاملات سے جسکا جواب وہ رب العرش کے حضور خود سے لینے کے ہمیں کوئی واسطہ نہیں ہے، اگر ایک شہنشاہ یا خلیفہ کا وجود اپنے لیے بُرا ہے۔ لیکن اسلام اور مسلمانوں کے حق میں اچھا ہے تو اُسکی خلافت میں کیا نقصان آسکتا ہے۔ مسلمان مورخوں نے غلطی سے ہمیشہ ہر اسلامی امام اور بادشاہ کے ذاتی حالات بہت درج کیے ہیں اور اُسکی سیاسی قابلیت پر بہت کم توجہ کی ہے۔ تاریخی اُصول پر مسلمانوں میں بہت کم کتابیں لکھی گئی ہیں۔ جہاں اسی کے متعلق مسلمانوں میں کتابوں کی بہت قلت ہے۔ ہرون الرشید کے متعلق جو حالات ہمیں ملتے ہیں وہ ایسے لغو ہیں کہ ان کا درج کتب کرنا کسید طرح بھی جائز نہیں تھا۔ کیونکہ آئندہ نسلوں کو ان واقعات کے سُنے سے کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا تھا۔ مثلاً یہ لکھنا کہ ہرون الرشید اپنی باہ کی ایک حرم پر عاشق ہو گیا۔ اور امام محمد سے جو اڑکا فتوے لیکے اُس سے تعلق پیدا کر لیا اور فتوے لینے سے پہلے اُس لونڈی کو کوئی بار سمجھایا کہ تو میری حرم بن جا۔ لیکن اُس نے انکار کیا اور کہا تجھے شرم نہیں آتی کہ میں تیرے باپ کے استعمال میں آچکی ہوں تو مجھے تعلق پیدا کرنا چاہتا ہے۔ ہرون الرشید کا نہ ماننا اور اصرار کرنا پھر امام محمد کا فتوے دینا اور ہرون الرشید جبراً اُس سے تعلق پیدا کرنا۔ میں دریافت کرتا ہوں۔ ان لغو اور مُہمل باتوں سے تاریخ کو کیا سروکار تھا جن مورخوں نے یہ واقعات لکھے ہیں وہ ایسی روایتوں کی صداقت کے ذمہ دار ہیں۔ ایک شہنشاہ کی گفتگو کو جو جرّسہ رائے میں ہوئی ہو۔ صاف صاف لفظاً لفظاً لکھ دینا اور پھر اُس گفتگو میں ایک لفظ کا بھی فرق نہ دینا یہ ثابت کرتا ہے کہ روایتیں گھڑی گئی ہیں اور سچ سے انہیں کچھ بھی سروکار نہیں ہے۔ جب مارون الرشید اپنی لونڈیوں یا اپنی بیویوں سے باتیں کرتا تھا تو اُسوقت کون دوات قلم لینے ہوئے بیٹھا رہتا تھا کہ زبان سے نکلا اور لکھا۔ جب مسلمان مورخ ان فرضی واقعات کے پیچھے پڑ گئے تو انکی نظر میں امور سیاسیہ کی طرف

نہیں اٹھیں۔ اور اسیدوجہ سے آج تک عربی میں ایسی کوئی کتاب نہیں ملی جس میں معاملات جہان داری پر پوری وضاحت و بحث کی ہو۔ مگر ہم یہ کہتے ہیں کہ باوجود ان بُرائیوں کے بھی کوئی شخص خلیفہ کے لقب سے محروم نہیں کیا گیا۔ اور مخالفین نے بھی خلیفہ ہی کے نام سے پکارا۔

ہاں نکتہ چین یہ کہہ سکتا ہے کہ خواہ وہ کچھ ہی بدکار اور جاہل کیوں نہ ہوں۔ لیکن تھے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی حق خلافت اُن ہی کا حصہ تھا اور وہ ہر حالت میں خلیفہ کہلائے جاسکتے تھے۔ حضور انور کے چچا کی اولاد اور پھر قریش اُن کا حق تھا کہ وہ خلیفہ بنیں۔ دوسری قوم کا خواہ کیسا ہی متقی اور پرہیزگار ہو خلیفہ نہیں بن سکتا اس نکتہ چینی کا جواب یہ ہے کہ خلفائے بعد اود نے سلطان محمود سبکتگین کے بیٹے کو جو ترکمان تھا کیوں خلافت کا خطاب بخشا۔ اور کیوں اُسے خلیفہ المسلمین اور امیر المومنین کہا۔ امیر عبد الرحمن خان نے جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں کیوں ضیاء الملتہ والدین امیر المومنین کا لقب اختیار کیا۔ اسکی وجہ سوائے اسکے اور کچھ نہیں ہے کہ ہر بادشاہ اسلام خلیفہ ہو سکتا ہے اور خلیفہ ہونیکے لئے قوم اور ملک کی کچھ ضرورت نہیں ہے سب خلیفہ ہو سکتے ہیں۔ اور ایک ہی عہد میں صد خلیفہ ہو سکتے ہیں۔ بشرطیکہ ان کا ملک علیحدہ ہو اور وہ سب سلمان ہوں۔ مسلمان ہونیکے یہی علامت ہے کہ مسجد نبویں اذان ہوتی رہے۔ شریعت اسلامی جہلا کے قدموں کے نیچے کچلی جانیسے محفوظ رہے۔ مقامات مقدسہ کی تحریم اور تعطیل میں کوئی فرق نہ آئے۔ مسلمانوں کو کوئی صدمہ نہ پہنچے اور وہ آپس میں کٹ کٹ کے نہ مرجائیں۔ رہا امور جہان داری۔ اسکی نسبت کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ اگر قوانین ملکی اور سیاسی ایک امر کو جائز اور ایک کو ناجائز قرار دیتے ہیں تو ہم ہزار ہا کوس پر بیٹھے ہوئے اُنہی اعتراض نہیں کر سکتے۔ قطع یہ اور سود خوار کی

امور سیاسیہ چندان تعلق نہیں رہا ہے۔ اکثر مجبوریاں یہ سب باتیں کراتی ہیں۔ شریعت میں سود دینے اور لینے کا بالکل ایک ہی حکم ہے۔ مگر بڑے بڑے مشائخ اور علماء ائمہ مقلدین محض مجبوریوں کی وجہ سے شریعت کے ایک حرام فعل کو نہایت آمادگی سے علی الاعلان کرتے ہیں اور ذرا پروا نہیں کرتے۔ چونکہ سب ہی ایک مرض میں مبتلا ہیں۔ اسلئے اُن پر ایک حمام میں سب بنگے کی مثل عاید ہوتی ہے۔ اور وہ اسی لئے ایک دوسرے کے آگے کان نہیں ہلاتے۔ سمجھنے کی بات ہو کہ شریعت نے اُن کے آگے دو چیزیں پیش کی ہیں۔ اور دونوں ہی معاملہ میں حرام کے متعلق ایک ہی حکم ہے۔ مسلمانوں نے نہایت دانائی سے ایک چیز کو قبول اور ایک چیز کو مردود کر دیا اور شریعت کے حکم کی مطلق پروا نہیں کی اور وجہ یہ بیان کی کہ ہم مجبور ہیں بغیر اسکے چارہ نہیں ہے یعنی ہماری موجودہ معاشرت اسکی مقتضی ہے کہ سود دینا مگر تماشہ کی بات یہ ہو جو شخص سود لینے پر اسطرح مجبور ہوئے ہیں جیسے سود دینے پر۔ تو آخر الذکر ان پر اعتراض کرتے ہیں اور انہیں اچھی نظروں سے نہیں دیکھتے حالانکہ دونوں مجرم ہیں۔ اور دونوں میں سے ایک کو بھی حق نہیں ہے کہ ایک کو سزا و عقوبت اور گنہگار مسلمان خیال کرے۔ اپنی آنکھ کا شہتیر تنکا معلوم ہوتا ہے اور دوسری آنکھ کا تنکا شہتیر کا دیتا ہے۔ خیال کرنے کی جگہ ہے کہ ایک شخص یا ایک جماعت کی مجبوری سے ہمیشہ سلطنت کی مجبوریاں بہت بڑھی ہوئی ہوتی ہیں۔ موجودہ طرز جہانداری ایسی واقع ہوئی ہو کہ بغیر سود لینے دینے کے چارہ ہی نہیں ہے۔ یورپ کے تعلقات یورپی مہاجروں سے وقت ضرورت روپیہ قرض لینا۔ تجارتی معاہدے اور پُرکار بند ہونا۔ یہ ایسی مجبوریاں ہیں کہ بغیر سود کے نہیں چل سکتیں۔

ہندوستان میں جو مسلمان یورپی مال کی تجارت کرتے ہیں انکی تعداد ہزاروں گزر گئے

لاکھوں پر پہنچی ہوئی ہے۔ ان تاجروں میں حاجی بھی ہیں حافظ بھی ہیں۔ اعلیٰ درجہ کے پاک مسلمان بھی ہیں۔ پانچون وقت کے نمازی بھی ہیں۔ سخت مذہبی لوگ بھی ہیں۔ مگر سود کا لین دین سب میں موجود ہے۔ اور کوئی ایک تاجر بھی ایسا نہیں بچ سکتا۔ جس نے سود کا لین دین نہ کیا ہو۔ اس میں شبہ نہیں کہ یہ مسلمان تاجر دل سے نہ چاہتے ہوں کہ انہیں سود کا لین دین جاری رکھنا پڑے لیکن قواعد تجارت سے ناچار ہیں اور کچھ نہیں کر سکتے خدا کی مجبوریوں کو دیکھتا ہے۔ اس طرح سلطنت ترکی پر نظر ڈالنی چاہیے اور اس کی تمام مجبوریوں پر نظر کر کے یہ فیصلہ کرنا چاہیے کہ اگر آج یورپی تعلقات قطع کر دیئے جائیں اور تمام معاہدے دمل یورپ کے توڑ دیئے جائیں تو ترکی کو دن سلامت رہ سکتی ہو۔ اور ترکی کی بربادچی مقامات مقدسہ کی کیا گت بن سکتی ہو۔ علاوہ اور زرمہ کی مجبوریوں کے قدرتی مجبوریوں کی ہم مثال دیتے ہیں جیسے کوئی نکتہ چینی نہیں کر سکتا۔ مثلاً روم روسیہ کی جنگ کے بعد جب برلن کی کانفرنس نے بہت بڑا تاوان جنگ ترکی پر ڈالا ہے تو اس کی اقساط معہ سود مقرر ہوئی تھیں۔ کیا ترکی انکار کر سکتی تھی کہ ہم بلا سود روپیہ دیں گے۔ کیونکہ ہمارے مذہب میں سود لینا اور دینا حرام ہے۔ ترکی اول تو ایسا کہہ نہ سکتی تھی اور اگر کہتی بھی تو اس کی وقت مجنون کی بکواس سے زیادہ نہوتی۔ اور اگر ترکی اپنے اس قول پر اٹھی رہتی تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ اور کئی صوبے چھین کے بالجبر روسیہ کو دلوادیئے جاتے۔ اور ترکی کا نام و نشان صفحہ ہستی سے مٹ جاتا۔

خداوند تعالیٰ نے اس بات کا فیصلہ کر دیا ہے کہ جتنی جسکی قوت ہو اسی قدر وہ سکلف کیا جاتا ہے۔ اپنی حیثیت سے زیادہ تکلیف اُٹھانی نفس کشی اور خود کشی ہو۔ رمضان المبارک کے روزے فرض ہیں لیکن ایسا شخص جو سخت کمزور اور مریض ہو گیا ہو اور روزہ رکھنے

سے اسکی ہلاکت مقصور ہو۔ طبیب بھی اُسے یہی فتوے دیکھے ہوں کہ روزے رکھے اور ما
اور پروردہ روزے رکھکے مر جائے تو شریعت اسلام کے بموجب اُس نے خودکشی کی اور اُس
خودکشی کی جو سزا خداوند تعالیٰ نے مقرر کی ہے وہ اُسے ضرور ملے گی۔

کچھ ہندوستان ہی میں قرآن مجید۔ احادیث اور فقہ کی تعلیم نہیں ہوتی۔ ترکی میں
بھی کلام آتی اور یہ مقدس کتب پڑھی جاتی ہیں۔ وہاں بھی بڑے بڑے علما ہیں اور کل مذہبی
علوم پر عبور رکھتے ہیں۔ بڑے بڑے زاہد اور صوفی منش معرفت کے رستے طے کئے ہوئے پاک
نفوس رہتے ہیں۔ شیخ الاسلام بھی خاص سلطنت کے جگر میں موجود ہیں۔ کوئی شخص سلطنت
ترکی پر سود کے لین دین پر اعتراض نہیں کرتا اور نہ آج تک کسی کا اعتراض سُننے میں آیا۔ وہ
لوگ روشن ضمیر ہیں سلطنت کی مجبوریاں انکی آنکھوں کے آگے عیاں ہیں۔ اصول سنیات
سے واقف ہیں اور خوب سمجھتے ہیں کہ بغیر اسکے چارہ نہیں جب ہاتھ پیر قدرت نے کس کو
ہوں پر کیا اعتراض ہو سکتا ہو۔ موجودہ سلطان کی نسبت یہ کہنا کہ اُسکی سلطنت میں سو
کی داد ستد ہوتی ہو۔ اسلئے وہ خلیفہ نہیں ہو سکتا۔ محض لغو اور بے معنی اعتراض ہو۔

اسی طرح قطع یہ کام معاملہ ہے۔ اگر بے چون و چرا تسلیم کر لیا جائے کہ قطع یہ صعدا
میں سے ہو اور جسے حدود اللہ کے باہر قدم رکھا وہ مسلمان نہیں ہو سکتا۔ ان سب باتوں کو
توضیحات کو تسلیم کر نیکی بعد ہم اسکا بھی وہی جواب دینگے جو اوپر دیکھے ہیں۔ سلطان مجبور ہیں
تمام یورپ کی آنکھوں کے آگے عیسائیوں کو یہ سزا نہیں دے سکتے۔ کیونکہ انکی عکداری میں
عیسائی زیادہ ہیں۔ اور ان ہی کے محلوں میں اس قسم کے جرائم کا صدور ہوتا رہتا ہے۔ ترکی
میں اتنا دم نہیں ہے کہ تمام دنیا سے جنگ کرے۔ اور صرف قطع یہی رسم جاری کر نیکی لے
لاکھوں مسلمانوں۔ عورتوں اور بچوں کا خون کرائے اور وہ صوبے جنہر ہلال اُڑ رہا ہے

صلیب کا نشان اڑواوے۔ یہ مسئلہ قدرت ہی جو شخص مجبور ہے معذور ہے۔ اور اُسپر کوئی الزام نہیں آسکتا۔

اگر ہم ایک بار خلفائے سابقین کی طرز جانداری پر نظر ڈالیں گے تو ہمیں کھل جائیگا کہ کوئی خلیفہ ایسا نہیں گزرا جسکی سلطنت میں کچھ نہ کچھ مجبوری ہو اور مثل ایک انسان کے جو خطا و نسیان سے پر بیان ہوا ہو اُس میں خطا کاریاں اور کمزوریاں نہوں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر خاص مدینہ ہی میں کفر کا فتوے لگایا گیا۔ ایک صوبہ کے مسلمانوں نے بغاوت کر کے آپ کو شہید کر دیا۔ وجہ صرف یہ تھی کہ وہ عظیم اور وسیع سلطنت جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ فتح کر کے چھوڑ گئے تھے اُسکے سنبھالنے کی آپ میں قوت نہ تھی۔ جیتک حضرت عمرؓ کا رعب بنا رہا آپ بآرام سلطنت کرتے رہے اور جب فاروقی اثر کم زور ہو گیا تو حضرت عثمانؓ شہید کر ڈالے گئے۔ باین ہمہ کیسی مجال نہیں ہے کہ ایک لفظ بھی آپ کی شان اطہر و اقدس میں زبان سے نکالے۔ آپ کا اسم مبارک خطبہ میں لیا جاتا ہے۔ اور کروڑ ہا سینوں میں آپ کا احترام مثل حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے کیا جاتا ہے۔ یہی کیفیت حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کی تھی۔ آپ بھی جانداری کے اصول سے مطلق واقف نہ تھے۔ تحت خلافت پر بیٹھتے ہی آپ نے تجربہ کار گورنروں کو موقوف کر کے اپنے نا تجربہ کار بھائی بندوں کو ان کی جگہ مقرر کر دیا۔ وہ لوگ گورنری حاصل کر کے عیش و عشرت میں پڑ گئے۔ بیت المال کا روپیہ اڑا دیا۔ اور ہزاروں لونڈی غلام اپنی خدمت میں رکھنے لگے۔ یہ دیکھ کے حضرت علیؓ سے نہ رہا گیا آپ نے بہت غصہ کے خط لکھے اور انہیں قتل کی دہلی دی اور صاف تحریر کر دیا کہ میں نے اپنا عزیز سمجھے تمہیں دمان بھیجا تھا۔ مجھے خبر نہیں تھی کہ تم یہ گل کھیلو گے اور تم نے مجھے سخت دھوکا دیا۔ پھر بغیر مصلحت ملکی حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا اور امیر معاویہ سے جنگیں اور

اخیر قبل از وقت کوفہ کی مسجد میں شہید ہو جاتا یہ ساری باتیں شہادت دیتی ہیں کہ بحیثیت ایک حکمران اور خلیفہ کے حضرت علی مثل حضرت عثمان کے بہت کمزور تھے۔ اور کل فسادات ان ہی دو خلفاء کے عہد میں برپا ہوئے۔ اس طرح جتنے خلفاء ہوئے ہیں سب انسان تھے اور ان کے ساتھ انسانی کمزوریاں لگی ہوئی تھیں۔ ان کمزوریوں کی وجہ سے کسی مسلمان کی مجال نہیں ہوئی کہ انہیں کچھ بھی الزام دے سکتا۔ مذہبی تعظیم اور چیز ہے۔ اور مورخانہ پہلو سے ہر خلیفہ کے واقعات زندگی کو دیکھنا دوسری چیز ہے۔

میری اس آزادانہ تحریر سے کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ میں ان بزرگوں سے سو ظن رکھتا ہوں حاشا وکلا۔ میرا ہرگز یہ خیال نہیں ہے۔ میں بھی مثل اور مسلمانوں کے ان کا احترام کرتا ہوں۔ میری آنکھوں میں وہ بڑے مغرور و محترم ہیں۔ اور میں جانتا ہوں کہ دنیا کے اور مسلمانوں سے ان کے مذہبی عقائد بہت مضبوط اور استوار تھے ان کا اتقا اور پہنچائی برٹھی ہوئی تھی۔ ان معاملات سلطنت میں اپنی اپنی حکمت عملی تھی۔ اور وہ اسی حکمت عملی پر کاربند ہوتا تھا۔ کسی میں جاننداری کی قابلیت بہت بڑھی ہوئی تھی۔ اور کسی میں کم۔ بس اس قدر فرق تھا باقی تھے سب مامی دین متین۔ اور اس میں شک کرنا سخت خیر و چشمی اور سوارانی

فیصلہ

جہاں تک مجھے لکھنا تھا لکھ چکا۔ اور مذہبی زور سے یا بجوالہ تو اینجہ جو کچھ ثابت کرنا تھا کر چکا۔ پہلے صفحوں میں جو کچھ بیان ہوا ہے اُس پر ایک عام نظر ڈالئے اس سالہ کو ختم کرتا ہوں۔ امید ہے کہ میرے رسالہ کا ناظر

اسے بغور پڑھے گا۔

قرآن مجید کی تفسیر و حدیثوں اور عربی مورخوں کی رائے سے اس بات کا ثبوت تو مل گیا کہ خلیفہ ہونے میں کسی قوم اور گروہ کی قید نہیں ہے اور ہر سلطان بشرطیکہ حفاظت میں اچھی طرح کر سکے خلیفہ بن سکتا ہو۔ رایہ کہ جو مسلمان اسے خلیفہ تسلیم کریں اپنی خلیفہ کے احکام فوجداری اور دیوانی کا بھی اجرا ہو سکے۔ میرے خیال میں اسکی کچھ ضرورت نہیں ہے۔ کسی امر کا تسلیم کرنا اور چیر نہی۔ اور اس تسلیم پر عمل درآمد کرنا دوسری چیز ہے۔ محض اس اخلاقی تسلیم سے کہ سلطان روم خلیفہ ہیں ہمارا کچھ نقصان نہیں ہو سکتا۔ کسی قسم کی سیاسی پیچیدگی نہیں پڑ سکتی اور نہ یہ خیال گوئمنٹ برطانیہ کی نگاہوں میں کھٹک سکتا ہے۔ ہم کل سلطان اسلام کو خلیفہ مانتے ہیں۔ لیکن سب سے زیادہ شرف سلطان روم کو دیتے ہیں۔ اسلئے کہ وہ نسبت قوی بھی ہیں اور مقامات مقدسہ بھی انکے قبضہ میں ہیں۔ بس تمام تحریر کا حاصل یہ ہے جو ہم نے بیان کیا

یورپ میں اسکا بہت چرچا ہے۔ فرانس کے بعض اخبارات اسی بحث سے

سیاہ دیکھے گئے ہیں لیکن سب کی بحثیں محض بے بنیاد ہیں۔ اسلام اور اس کے اصول سے کوئی وقف نہیں ہو۔ اور سب یہ قوف بھٹرو کی طرح ایک ہی کومین میں گر گئے ہیں۔ خلیفہ کا لفظ نہایت خوفناک پیرائے میں بیان کیا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ غلطی ہے۔ ہر قوم میں اپنے بادشاہ کیلئے ایک لقب ہے مثلاً ایرانی اپنے بادشاہوں کو کسے کہتے تھے اور رومی اپنے شاہ کو قیصر اسی طرح اسلام میں لفظ خلیفہ ایک حکمران کیلئے نافذ ہوا۔ سلطان عبدالحمید ترکی لحاظ سے سلطان اور اسلامی لحاظ سے خلیفہ کہلاتے ہیں۔ اسی طرح ہر اسلامی حکمران کے نام کیساتھ لفظ خلیفہ موجود ہے جتنے شہنشاہ ہوئے اور جن جن ممالک میں ہوئے انہیں علاوہ قومی لقب کے خلیفہ بھی کہا گیا ہے۔ سلطان مراکو اپنے کو خلیفہ کہتا ہے۔ سلطان زنجبار اپنے کو خلیفہ کہلوانے کا شائق ہے۔ امیر عبدالرحمن خان نے بطور گورنمنٹ اپنے کو امیر المومنین لفظ خلیفہ کا مترادف ہے قرار دے لیا ہے۔ اسی طرح جتنے حکمران ہیں سب کے ساتھ لفظ خلیفہ موجود ہے۔ قرآن مجید میں جو اولی الامر کی اطاعت کا حکم ہے اس سے لازم آتا ہے کہ ہم سلطان روم کی اطاعت کریں حالانکہ یہ بات نہیں ہے۔

سلطان روم ہم میں صاحب حکومت نہیں ہیں اسلئے معاملات جمانداری
 میں ہم انکی اطاعت کیلئے مکلف نہیں کئے گئے "تمنکہ" کا لفظ صاف
 شہادت دیتا ہو کہ صاحب حکومت ہم میں سے ہوا انکی ہم اطاعت کرتے ہیں
 چونکہ سلطان ہم میں سے نہیں ہیں اسلئے انکی اطاعت ضروری نہیں
 ہاں ہم انہیں خلیفہ تسلیم کرتے ہیں اور یہ تسلیم کرنا ہمارا اخلاقی اور مذہبی ہے
 جمانداری اور معاملات سیاسی سے اسکو کوئی تعلق نہیں ہے ہم میں سے
 نہیں ہونیکے معنی قومی اختلاف اور حکومت ہے یعنی ہم دولت برٹن کلاں
 کے محکوم ہیں اور وہ روم کے خود مختار حکمران جس طرح حکومت اور محکومی میں
 فرق ہے۔ اسی طرح ہم میں اور سلطان روم میں فرق ہے۔ اگرچہ اسلامی لحاظ سے
 ہم سب بھائی ہیں۔ ہم اسوقت شہنشاہ ہند ایڈورڈ ہفتم کی رعایا ہیں
 اور ہمیں آسائش اور آرام ملتا ہے۔ ہمارے مذہبی حقوق آزاد ہیں
 اور ہم بہت آزادی سے با آرام اپنی زندگی بسر کرتے ہیں خدا ہماری گمنٹ
 کو خوش رکھے +

میراجیت

پروس کمپنیں یعنی اشتہا

دی اسلامیہ پرنٹنگ اینڈ پبلشنگ کمپنی۔ یعنی اسلامی کتب و
یوپی زبانوں کے تراجم (معلق باسلام) شائع کرنیکا کارخانہ

سرمایہ کمپنی باختیارات ایزادی

مبلغ پچیس^(۲۵۰۰۰) ہزار روپے

منقسم ہر حصص تعدادی پچیس سو فی حصہ مبلغ دس سو روپیہ ہر شہر
ادائیگی فی حصہ ہمراہ درخواست کمشت بروقت منظوری درخواست
ادایا جائے گا۔ زرمابقا کا کچھ حساب نہیں۔

میراجیرت۔ مالک و ڈیٹر کرن گزٹ مینجنگ ڈائریکٹر و سکرٹری کمپنی ہذا
دفتر کمپنی۔ کوچہ پنڈت۔ شاہ گنج۔ دہلی۔

یہ اسلامیہ کمپنی شہر دہلی میں محض ایک ایسا کارخانہ جاری کر ملکی غرض سے قائم کی گئی جو حسین اکثر اسلامی کتب کی اشاعت و پکائی کے تمام و بنیات کی عربی کتب کے ترجمے نہایت با محاورہ اردو میں کیے جائینگے اور انہیں اعلیٰ سپاہ پر طبع کر کے بہت ہی کم قیمت پر فروخت کیا جائیگا۔ حضور انور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سونے غری سے لیکھ کل صحابہ تا مبعین تسخیر زمین و بحرین محمد بن مسلمہ بن عوفہ کی وقتاً فوقتاً سولہ عمر بیان طبع ہوتی رہیں گی۔ اور ساتھ ہی جرمنی فرانسیسی اور انگریزی کتب کا ترجمہ بھی ہوتا رہیگا جس سے مسلمانوں کو بہت بڑا فائدہ پہنچے گا۔

زبان اردو جسکے متاثرین کی یہ کوشش کیجا رہی ہے اپنا سکہ محض اسلامیہ پرنٹنگ اینڈ پبلشنگ کمپنی کے طفیل سے ہندوستان میں شائع کی۔ عام طور پر مسلمانوں کے ہاتھ وہ کتابیں گئیں گی جو ابھی تک جرمنی فرانسیسی یا انگریزی ذخائر میں چھپی ہوئی ہیں یا اس کمپنی سے ہندوستان کے لائق مصنفین اور مترجمین کو تصنیف اور ترجمہ کا حوصلہ ہوگا۔ اور انہیں انکی محنت کا کافی معاوضہ ملے گا۔ صلح ستہ کا دوبارہ نظر ثانی کر کے اور اچھی طرح با محاورہ اردو ترجمہ کر کے پارہ شائع کیا جائیگا اور جبکہ ادنیٰ مضامین حاصل ہی کیا جائیگا۔ اس طرح کلی فتنی کتب کے نئے سرے سے جدید ترجمے کیے جائینگے۔

تھوڑی غور کے بعد ہر شخص خیال کر سکتا ہے کہ اس کمپنی سے مسلمانوں اور ان کے مذہب کو کتنا بڑا فائدہ پہنچ سکتا ہے اسلئے ایک حصہ کی قیمت صرف دس روپیہ رکھی ہو تاکہ ہر شخص بے قیل و قال خرید کر سکے۔ نہ اس کارخانہ کیلئے بڑی تنخواہ اے انگریز کے ولایت سے بلائے کی ضرورت ہو اور نہ زرِ خطیر خرچ کر کے کلون کے لینے کی حاجت ہو۔ فی الحال صرف دہلی کے ڈھلے پھوے پریسون پر کام ہوگا اور یہ پریسون کلون سے زیادہ بہتر کام دیں گے۔

غرض حصہ داروں کے سرمایہ میں سے ایک پیسہ ہی بیکار صرف ہوگا۔ ہمیں خدا کی ذات سے بہت بڑی امید ہے کہ اس اسلامی کام میں ہمیں بہت بڑا فائدہ ہوگا اور جان تک غور کیا جاتا ہے نقصان کی ہر صورت نظر نہیں آتی۔

مگر بہت اطمینان کی بات جو کسی کمپنی میں آج تک نہیں ہوئی وہ یہ ہے اگر کسی حصہ دار کو اپنے خیال میں نقصان معلوم ہو تو وہ اپنے حصص یا حصہ کو کرن گرنٹ کے ہاتھ فروخت کر سکتا ہے اور کرن گرنٹ اس کا ذمہ دار ہے کہ معاوضہ دست پہنچے ہی اسکا کال روپیہ سے ارسال کرے۔ اصل رقم سے ایک پیسہ کم یا زیادہ نہ دیا جائے گا۔ اس سے زیادہ حصہ داروں کا اور کسی بات میں ہی اطمینان ممکن نہیں۔ اس کمپنی کو لیٹڈ اس جس سے نہیں کرایا گیا ہے تاکہ کسی کارروائی کا اثر عام حصہ داروں پر نہ پڑے اور ہر حالت میں کرن گرنٹ ہی ذمہ دار ہے اور حصہ دار ہر طرح سے باطل متبر ہیں۔

کمپنی کا انتظام براہ راست میرزا جرت مالک اڈیٹر کرن گرنٹ سے تعلق رکھتا ہے وہ خود اسکے منتظم ہیں اور ذمہ دار ہیں۔ دو تین سال کے بعد ہی معلوم ہو جائیگا کہ اس اسلامیہ کارخانہ نے کتنی کتب نئی طبع کرائیں اور کتنے نفع بخش حصہ داروں میں

تقسیم کیا۔ ہم خرم و اہم ثواب کے یہی معنی ہیں۔ اصل رقم معذور و واجب چاہیں طلب کر سکتے ہیں اور پھر دین کی امداد اور اسلامی کتب کی اشاعت میں معاونت۔ خدا کی ذات مجھے کال امید ہے کہ اسکا سترہ مبلغ پچیس ہزار روپے بہت جلد جمع ہو جائے گا۔ اللہ کے ہر دم سے پریم اکتوبر سنہ ۱۳۷۰ء سے کام شروع کر دیا ہے اور پندرہ روپیہ سیکڑہ سالانہ منافع تقسیم کرنے کا اشتہار بھی دیدیا گیا ہے۔ جسکی پہلی ششماہی ماہ اپریل سنہ ۱۳۷۰ء کو تقسیم ہوگی۔ (میرزا جرت)

